قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ

اور

مجالسِ ذکر

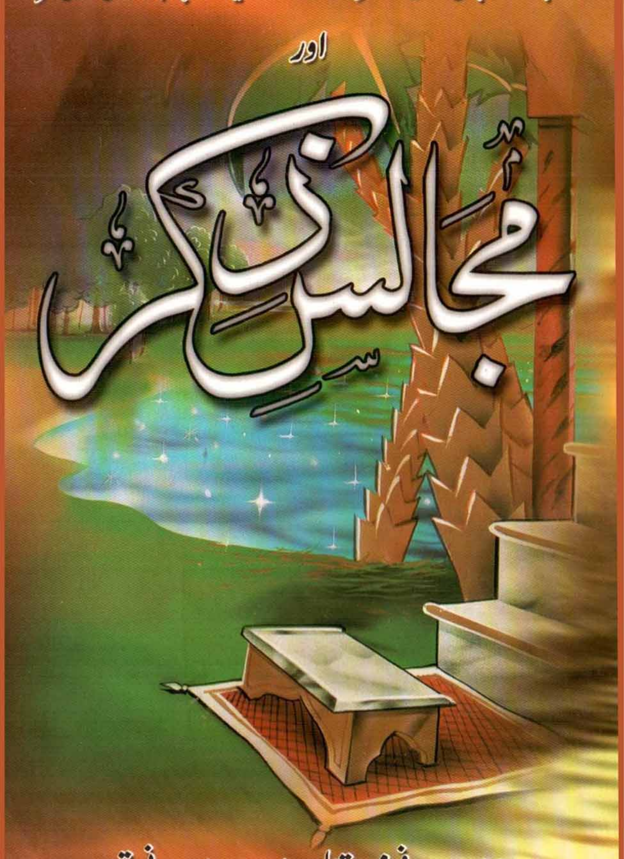

مرتبہ: حضرت صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ

فهرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ

اور

مجالسِ ذکر

مرتبہ

حضرت اقدس صُوفی **مُحمّد اقبَال** صَاحب (مدنی)

معاونت خصوصی برائے ترتیب وکمپوزنگ

حضرت جناب آفتاب احمد (مدینہ منورہ)

ترتیب وکمپوٹر کمپوزنگ: محمد نور باری

مکـــتبة اقبـالیه

نور حراء پبلیشرز

ای میل: noorbari786@gmail.com فون: 0092-312-2502281

۲۸ محرم الحرام ۱٤٤٤

نوٹ: یہ کتاب قارین کے لیے کتابی صورت میں دستیاب ہے

مکتبہ حضرت شاہ زبیرؒ

جامع مسجد مدنی– خانقاہ مدنیہ اقبالیہ جلیلیہ

سی 307، بلاک 1 ، گلستان جوہر ، کراچی۔۔۔موبایل 0030 9225533 0321 9225533

اہم مضامین کی اجمالی فہرست

☆ ایک صدی کے آخر دوسری صدی کے شروع کے دور کا امامِ ربانی ۴

☆ چودھویں صدی کے آخر میں ایک قابلِ فکر تبدیلی ۹۱

☆ مجالسِ ذکر کے فضائل اور اس دور میں مجالسِ ذکر کو سب خدماتِ دینیہ پر ترجیح دینے کی توضیح ۴۸

☆ مُخلِص بڑے خطرے میں ہوتا ہے اور مُخلَص (لام کے زبر کے ساتھ) بننے کی ضرورت ۵۷

☆ خانقاہی ذکر و شغل سے متعلق اشکالات پر حضرت رائے پوریؒ کے جوابات ذکر ''الا اللہ'' اور ''اللہ اللہ'' کا ثبوت ۱۰۹

☆ ذکر و تصوّف اور عرب حضرات ۱۰۱

☆ حضرت شیخؒ کی ایک اہم نصیحت ۱۲۶

☆ مجالسِ ذکر کے فروغ میں حضرت شیخؒ کی مالی و جانی اور جذباتِ دینیہ کی غیر معمولی قربانی ۳۷

☆ مجالسِ ذکر کے فروغ میں حضرت شیخؒ کی مالی و جانی اور جذباتِ دینیہ کی غیر معمولی قربانی ۴۲

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

مجالسِ ذکر	نام کتاب
حضرت صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ	نام مصنف
	ناشر
القادر پرنٹنگ پریس کراچی۔ فون: 2723748	طابع
	تعداد

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

اللہ تعالیٰ کی تازہ مہربانیاں

(یعنی دین کی اصل کا فروغ)

ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے شروع کے دَور کا امامِ ربّانی؟

حامدًا و مصلّیًا و مسلّمًا ...... بعد حمد وصلوٰۃ: یہ چند اوراق حضرت شیخ اور مجالسِ ذکر کے متعلق ہیں، مگر پہلے چند ایسے واقعات ذکر کرنے ہیں جن کو بالعموم سب ہی جانتے ہیں، جس کو بھی دین سے کچھ تعلق ہوگا وہ ضرور ان حقائق سے واقف ہوگا، یہاں صرف متوجہ کرنا ہی مقصود ہے۔

حضرت سیّد احمد شہیدؒ ''صراطِ مستقیم'' میں فرماتے ہیں کہ: ''نوعِ انسانی کے امرِ معاد کی تربیت میں زمانے اور طریق بدلا کرتے ہیں اور جس دَور میں جو اہلِ کمال اپنے کمال کو پہنچتے ہیں جو علوم کہ اُن کے دَور کے مناسب ہیں اُن کے دلوں میں ڈال دئے جاتے ہیں، جب ایک دَور ختم ہوجاتا ہے تو دوسرے دور کی ابتداء شروع ہوجاتی ہے، ایسے شخص کے وجود سے پہلے دور کی ہدایت کو کمال کی انتہاء تک پہنچایا جاتا ہے اور اُس کو ترجمان مقرر کرکے اُس کی برکت والی زبان سے اللہ تعالیٰ کی تازہ مہربانیوں کی طرف آدمیوں کو دعوت دی جاتی ہے اور اُس دور کی امامت اُس کو بخشی جاتی ہے جو اُس زمانے میں آدمیوں میں سب سے زیادہ باکمال اور اللہ تعالیٰ کے فیض کے زیادہ لائق ہوتا ہے''۔

چودہویں صدی کے آخر اور پندرہویں صدی کے شروع کے دور میں تمام اہلِ حق اور راسخین فی

العلم کے درمیان یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ وقت کے امامِ ربانی اور جامعِ شریعت وطریقت تھے۔

چنانچہ علوم میں:

جنہوں نے ''جامعہ مظاہر علوم'' میں نصف صدی حدیثِ پاک کا درس دیا، اس عرصہ میں مختلف ممالک کے ۱۸۲۱ طلباء نے آپ سے سندِ حدیث حاصل کی۔

جنہوں نے "أوجزُ المسالك شرح موطأ امام مالكؒ" ۱۵ جلدوں میں، "لامعُ الدَّراري شرح بخاري" دس ۱۰ جلدوں میں، شرح ترمذی ۲ جلدوں میں، تراجمِ بخاری جیسی کتب کو لکھا اور مرتب کیا۔ علماء فرماتے ہیں ''اوجز'' اور "لامع" نے متقدِ مین کی یاد تازہ کردی۔ اوران کے علاوہ تقریباً اسی (۸۰) مزید چھوٹی بڑی مختلف انواع کی تصانیف تحریر فرمائیں جن کا مفصل تذکرہ حضرت کی آپ بیتی نمبر ۲ میں آچکا ہے۔

اور سلوک میں:

جن کو ۱۸ برس کی عمر میں خصوصی تعلق مع اللہ کی دولت نصیب ہونے کی شہادت وقت کے اولیاء نے دی۔

جن کو حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں کی جہاں سے ابتداء ہوتی ہے ہماری انتہاء ہوتی ہے اور فرمایا کہ شیخ میں حضرت گنگوہیؒ کی نسبت منتقل ہوئی ہے اور فرمایا کہ حضرت شیخ آج (جبکہ حضرت شیخ کی عمر شریف تقریباً ساٹھ سال کی تھی) اُس مقام پر ہیں جہاں حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ بوقتِ وصال تھے، اس کے بعد ۲۸ برس میں جو کچھ ترقی ہوئی اُس کا ادراک کرنے والا بھی کوئی نہ رہا تو براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بذریعۂ رؤیائے صالحہ اور مکاشفات حضرت کا مقام

ظاہر فرمایا گیا اور حضرت کے فیضِ علمی و روحانی کا دنیا کی ساری اقالیم میں پہنچ جانا ہم سب کے سامنے ہے، واضح رہے کہ عارفین کی ترقی کا ہر لحہ ہونا مسلّم ہے ؎

سیرِ زاہد ہر شبے یک روزہ راہ — سیرِ عارف ہر دَمے تا تختِ شاہ

جن کو ۱۳۴۵ھ مدینہ منورہ میں حضرت سہارن پوری قدس سرہٗ نے بیعت کی اجازت دی، خلیفہ مجاز اور صاحبِ نسبت ہونے کے بعد پچپن برس تک ہر لحہ ترقیاتِ روحانی میں گذرا۔

جن سے حضرت گنگوہیؒ سے لے کر گذشتہ صدی کے تمام اکابر و مشائخ نے خصوصی محبت کی اور اعتماد کا اظہار فرمایا جس کی کچھ تفصیل ''محبوب العارفین'' میں ملاحظہ کریں اور دنیا کے ہر ملک میں قبولیّتِ عامہ کی جو حالت ہے اُس کی دوسری مثال ملنا مشکل ہے۔

اس طرح گویا سیّدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سچّے جانشین کو وقت کے سیّدالاولیاء ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔

جن کو حضراتِ اکابر اور خصوصاً بقیۃ السلف حضرت مدنیؒ ، حضرت رائے پوریؒ کے انتقال کے بعد تمام ہی اہلِ حق نے اپنا مرجع اور اپنا سرپرست مانا اور تقریباً ہر جماعت و جمعیّت و تنظیم و مدرسہ کے ذمہ داروں نے اُن کو اپنا بڑا مانا اور ہر اہم امر میں اُن کی رائے و مشورہ کو متقدّم جانا۔

جن کو ۱۴۰۱ھ مکہ مکرمہ میں بذریعہ رؤیائے صالحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قطبُ الاقطاب'' کا خطاب دیا اور اُس کو ظاہر کردینے کا امر بھی فرمایا اور دوسرے رؤیائے صالحہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُن سے دین کا کام لینے کا حکم فرمایا گیا۔

حضرت شیخ کے علومِ ظاہرہ و باطنہ ، خدماتِ دینیہ ، اتباعِ سنّت ، تواضع و تقویٰ و جامعیّت و خصوصیات قبولیت و مقبولیت کی تفاصیل میں اب مفصّل سوانح اور مختلف رسائل ایسے چھپ چکے ہیں جنکو دیکھ کر ہم سب کو اپنی محرومیت کا افسوس ہوتا ہے۔

اب تو صرف اس ولی کامل کی طرف اشارہ کر کے یہ عرض کرنا ہے کہ وقت کے امامِ ربانی اس حدیثِ قدسی کے بھی مصداق تھے جس میں یہ فرمایا گیا ہے:

﴿کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده

التی یبطش بها ورجلهٔ التی یمشی بها..........الحدیث﴾

(مشکوٰة "باب ذکر الله عزوجل و التقرّب الیه)

ترجمہ: "میں اُس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے"......یعنی ان کو مناسبت و معیّت اس درجہ حاصل ہوتی ہے کہ ان کا دیکھنا، سننا اور ہر حرکت لِلّٰہ، فی اللہ اور من اللہ ہوتی ہے......اور اسی طرح اس دوسری حدیث کے مصداق بھی حضرت تھے:

﴿اذا أحب الله عبدًا نادیٰ جبرئیل ......الحدیث﴾

حضرت سیّد شہیدؒ فرماتے ہیں کہ: "اس دور میں جتنے اہلِ کمال پائے جاتے ہیں حقیقت میں وہ اسی امامِ دَور کے پیرو ہیں، خواہ وہ اس کو جانیں یا نہ جانیں، اور اُن کی پیروی کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ وہ قصدًا اس امام کی تقلید کرتے ہیں یا اُن کی تربیت کا سلسلہ اس امام تک پہنچ جاتا ہے بلکہ اس مقام میں اتباع کے یہ معنیٰ ہیں کہ جو شانِ الٰہی اس دور میں ظاہر ہوئی ہے یہ لوگ بھی اس کی خدمت میں جان و دل سے کوشش کرتے ہیں اور اس شان کے مناسب جتنے علم، تدابیر و طرق پہلے پہل اس امام کے دل میں ڈالے گئے تھے دوسری دفعہ غیب کے خزانے سے اُن بزرگوں کے دل میں ڈالے جاتے ہیں اور جس طرح ان علوم کی اشاعت کا عزم اول اول اس امام کے دل میں پیدا ہوا تھا اسی طرح وہی عزم ان بزرگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے" انتھی' (الحمدللہ ایسا ہی ہو رہا ہے، اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں انشاء اللہ آئیگی) ہماری سعادت مندی اسی میں ہے کہ جس کام کو امامِ ربانی نے اختیار کیا اور اپنی مبارک زندگی کا آخری عمل اور اس کی مشغولی کو اپنا خصوصی مشغلہ بنایا اسی میں ہم بھی جان و دل سے کوشش کریں۔

امامِ ربّانی کے اتباع کی ضرورت

شریعت میں عقائد، فرائض واجبات اور محرّمات کی فہرست تو محدود اور متعین ہے، اُن پر عمل کرنے کے لئے کسی زمانے اور حالات کا اعتبار نہیں، نہ اُن میں کسی وقت کمی بیشی کی گنجائش ہے، اس کے علاوہ دین کے مختلف شعبوں میں بہت سی چیزیں فضائل اور وسائل کے درجہ میں ہیں اور اُن میں بہت سے عملوں کے متعلق **افضل الاعمال واحب الاعمال** کے الفاظ آئے ہیں، اور ایسے ایسے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں کہ جب کسی ایک عمل کی فضیلت اور اُس کی اہمیت سامنے آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بس یہی عمل سب سے بڑھ کر اور سب سے ضروری ہے، سب کچھ اسی عمل میں ہے لہٰذا اسی پر اپنی ساری توجہ اور کوشش خرچ کرنا چاہیئے، اس لئے جب ایک عامی آدمی کے سامنے کسی ایک شعبے کے عمل کی اہمیت آتی ہے تو وہ اس کو اختیار کرنے میں غلو وافراط سے کام لیتا ہے، اس انداز سے معاملہ کرتا ہے کہ دوسرے اتنے ہی ضروری شرعی امور کی ناقدری اور تحقیر لازم آتی ہے، اس طرح ظاہر ہے کہ وہ شخص پوری شریعت کا اتباع کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ اپنے ہی ذوق کا متبع کہلائے گا، اور نقصان میں رہے گا، جب کہ کوئی مریض کسی دوا کے منافع اور فوائد کسی کتاب میں پڑھ کر اپنی مرضی سے اس کا استعمال شروع کردے تو یہ نادانی کی بات ہوگی، اُس کو چاہیئے تھا کہ وہ اُس طبیب حاذق سے پوچھ کر عمل کرتا جس کو اُس دواء کے منافع بھی معلوم ہیں اور دوسری سینکڑوں دواؤں کے خواص بھی اُس کے سامنے ہیں، وہ مریض کے مزاج اور حالات سے بھی واقف ہے، وہی جانتا ہے کہ کس وقت کونسی دواء ہمراہ ھمعد کتنی مقدار میں کس بدرقہ کے ساتھ اس مریض کو دینا ہے اور کونسی غذاء پر زور دینا ہے اور کس غذاء سے پرہیز کرانا ہے خواہ وہ غذاء کتنی ہی مقوّی اور لذیذ ہو۔ یہی اصول دینی امور کے اختیار کرنے میں ہمیشہ سے ہدایت یافتہ لوگوں کا رہا ہے کہ جاننے والوں کا اتباع کرتے رہے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا حکم بھی یہی ہے، ارشاد ہے: ﴿فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ○﴾ یعنی اگر نہیں جانتے

تو جاننے والوں سے پوچھ لو۔اسی واسطے دینیات میں غیر مقلدیت اور خود رائی خلافِ شرع، خلافِ عقل ،اتباع ہوئی، افراط وتفریط کا باعث اور تمام بدعات کا دروازہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دین میں کونسی چیز، کس وقت کتنی ضروری اور قیمتی ہے اس کو راسخین فی العلم جامعِ شریعت وطریقت روشن ضمیر علماءِ ربانیین ہی جان سکتے ہیں ،ہمیں اس وقت اس چیز کو بیان کرنا ہے کہ مجالسِ ذکر حضرت شیخ جیسی شخصیت کے نزدیک اس وقت کتنی ضروری ہیں۔اس تحریر کا یہ حصہ اُن ہی حضرات کے لئے ہے، جو حضرت شیخ کی جامعیت ،فہم وفراست اور دین کے تمام شعبوں سے وابستگی اور سرپرستی کے معترف ہیں اور جن کو تعارف نہیں اُن کے لئے مجالسِ ذکر کے مستقل فضائل اور ان کی ضرورت آخر میں تفصیل سے بیان کی جائے گی اور جو حضرات حضرت سے اختلاف رائے رکھنے کی حیثیت اور حق رکھتے ہوں گے وہ اونچے حضرات اس حقیر کی اس تحریر کے مخاطب ہی نہیں۔

مجالسِ ذکر کے بارے میں حضرت کی رائے عالی:

اور کوشش کا احقر اور سینکڑوں خدام کا آنکھوں دیکھا حال حضرت کے ''سفرنامہ افریقہ اور انگلینڈ'' ہی سے نقل کردینا کافی ہے کہ اس مقصد کے لئے حضرت کو اس سفرنامہ کی طباعت کا تقاضا بھی تھا۔

سفرنامہ کے شروع میں مرتبِ سفرنامہ مفتی محمد شاہد کراچوی کے نام حضرت کے مکتوبِ گرامی حضرت تحریر فرماتے ہیں: ''اس سے مسرّت ہوئی کہ کتاب ''سفرنامہ'' زیرِ طبع ہے، اللہ جل شانہٗ سہولت سے اس کی تکمیل فرمائے، رمضان گذارنے کے لئے یہاں (مدینہ منوّرہ) آنے والوں کے خطوط بہت کثرت سے آرہے ہیں، میرے پیارو! مجھ بڈھے کو کب تک گھسیٹتے پھروگے اب اپنی اپنی جگہوں پر کام شروع کرو، ذکر واذکار کی مجالس قائم کرو، کام میں لگو، آخر یہ کام تو اب تم ہی دوستوں کو کرنا ہے'' (بقلم نجیب اللہ مؤرخہ ۲ رمئی ۸۲ م)

فہرست مضامین

مکتوب بنام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی دامت برکاتہٗ مؤرخہ ۵؍مئی ۸۱ء م: ''میرا یقین ہے کہ فتن کا علاج اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اور اسی جذبہ کے تحت ملکوں ملکوں پھر رہا ہوں کہ خانقاہیں دنیا سے ختم ہوگئیں ہیں'' فقط...... اسی مضمون کے خطوط مختلف ملکوں میں بہت سے حضرات کو کثرت سے لکھوائے اور جہاں کہیں سے مجلسِ ذکر کے قیام کی اطلاع ملتی تو وہاں والوں کے نام بہت مسرّت اور دعاؤں کا خط لکھواتے، اس قسم کے خطوط سینکڑوں سے متجاوز ہوں گے۔

سفرنامہ میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں: ''دورِ جدید میں مادیت کے غلبہ سے عقائد میں تزلزل پیدا ہوا، اعمالِ شرعیہ کی قدر و قیمت قلوب سے نکل گئی، اخلاص ویقین، احسان وسلوک اور ذکرِ الٰہی کی لذّت سے قلوب ناآشنا ہوگئے، خانقاہیں ویران ہوگئیں، جس کے نتیجہ میں امتِ مرحومہ نہ صرف تعلّق مع اللہ کی دولت سے محروم ہوگئی بلکہ شکل وصورت، اخلاق ومعاشرت، اعمال واشغال اور عقائد ونظریات میں مسلم وغیرمسلم کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہوگیا، امتِ مرحومہ کا یہ نقشہ ہر دردمند دل کو بے چین کرنے کے لئے کافی ہے، حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ جو اپنے دور کے اکابر مشائخ کی نسبتوں کے جامع اور تمام اکابر کے جانشین اور ترجمان تھے، امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کو دیکھ کر خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اُن کے قلبِ مبارک کی کیا کیفیت ہوگی؟ حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ ایک طبیبِ حاذق کی طرح خوب جانتے تھے کہ اس مریض کے اسباب وعلل کیا ہیں؟ اور اس کے مرض کا ازالہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ چنانچہ آخری دور میں حضرت نوّر اللہ مرقدہٗ پر ایک ہی فکر سوار تھی کہ ذکرِ الٰہی کی لائن کو کس طرح زندہ کیا جائے اور ٹوٹے ہوئے برگشتہ دلوں کا رشتہ کس طرح حق تعالیٰ شانہٗ سے جوڑا جائے کہ یہی مرض کا اصل علاج ہے، اسی کے لئے حضرت کے اسفار ہوتے، اُن کی مجلس میں اسی کا چرچا ہوتا، اُن کے حلقے میں یہی موضوع لائقِ توجّہ ہوتا، خطوط اور مراسلات میں اسی کی تاکید اور بار بار تاکید ہوتی کہ ذکرِ الٰہی کے حلقے قائم کئے جائیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ذکر کی طرف متوجّہ کیا جائے'' اھ۔

فہرست مضامین

مزید سفرنامہ میں مولانا مفتی شاہد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''امت میں جب تک یہ خانقاہیں اور مراکزِ ذکر قائم رہے اور ان کی روشنیوں سے قلوب منوّر ہوتے رہے انسانوں میں خوفِ خدا، زہد و تقویٰ، خشیت و انابت، اخلاص وللّٰہیت اور صفاتِ انسانیت باقی رہیں اور ایثار و محبت کے مناظر دیکھنے میں آتے رہے، لیکن جب سے امّت دیگر امورِ دینیہ کی طرح اس مہتم بالشان امر سے بھی غافل ہوگئی، خانقاہوں میں وقت گذارنے کو بھی اضاعتِ وقت سمجھنے لگی اور ان میں زندگیاں مٹا دینے والوں کو طعن وتشنیع کے الفاظ سے پکارنے لگی تو رفتہ رفتہ ان اوصافِ حمیدہ کی نعمت سے محروم ہوتی گئی اور اغراض وشہوات کے حجابات میں گھر کے مولائے حقیقی سے غافل ہوگئی۔ **نسوا اللّٰہ فانساھم انفسھم**۔ فتنوں کے تمام دروازے کھل گئے، گھر گھر، بستی بستی، شہر شہر حتی کہ مراکزِ دینیہ تک میں جھگڑے اور فساد شروع ہوگئے **فالیٰ اللّٰہ المشتکیٰ**۔

یہ وہ صورتِ حال تھی جس نے حضرت اقدس دامت برکاتہم کو بے چین کر کے رکھ دیا اور آپ جس مقدس امانت کے امین اور پاکیزہ وراثت کے وارث تھے اُس کے لئے یہ بے چینی ایک فطری امر تھا، آپ کے پیشِ نظر یہ امر تھا کہ اُمت کسی نہ کسی درجہ میں ظاہری اعمال کو اختیار کئے رہے (اور ان کی تعلیم وترغیب کا کچھ نہ کچھ رواج رہے) لیکن وہ ان اعمال کی حقیقت وروح اور ان کے منافع وثمرات سے یکسر محروم ہوتی جارہی ہے اور یہ ذکر اللہ سے غفلت ہی کا نتیجہ ہے جو کہ مراکزِ ذکر اور خانقاہوں کے مفقود ہوجانے کی بناء پر امّت میں پھیلی ہے۔

ادھر حضرت اقدس کے سامنے تقسیمِ ہند سے قبل کی خانقاہوں کے وہ رقّت آمیز مناظر بھی تھے جن کی یاد آج تک آپ کو رُلاتی ہے اور جن کے تذکرے سے آپ پر ایک کیفیت طاری ہوجاتی ہے، ان نورانی مراکز سے لاکھوں انسانوں کے قلوب کا منوّر ہونا اور ان کی ہدایت واصلاح کا وجود میں آنا اور پوری زندگی میں انقلاب آجانا آپ کو خوب یاد ہے، ان تمام امور نے حضرت اقدس کو بے چین کر کے رکھ دیا، ان کی (یعنی مراکزِ ذکر کی) اہمیت میں دو چند اضافہ کر دیا اور آپ نے انہیں پھر سے آباد کرنے کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی، کیونکہ آپ نے اپنے نورِ بصیرت سے یہ جان لیا کہ جب تک امت ذکر اللہ کے ذریعے اپنے

قلوب کومولائے حقیقی سے نہیں جوڑے گی کوئی خیر نہیں پاسکتی، خصوصاً دینی امور میں مشغول ہونے والے حضرات جب تک اس کا اہتمام نہیں کریں گے وہ فتنوں اور خطروں سے باہر نہیں ہوسکتے، ادھر ایک خواب نے آپ کو چونکا دیا جس سے اس فکر میں اور بھی اضافہ ہوگیا (بلکہ اس خواب کے بعد سے وفات تک ساری جامعیت کے باوجود یہی فکر اوڑھنا بچھونا بن گیا):

امامِ ربّانی حضرت شیخؒ کا رؤیائے صالحہ:

حضرت فرماتے ہیں ایک مرتبہ خواب میں مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تشریف فرما ہیں، آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ زکریا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق بہت ہورہا ہے مگر میرا جی یوں چاہے کہ اس سے کچھ اور کام لیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اس کو یہاں آنے کا اشتیاق تو بہت ہے مگر میرا بھی یونہی جی چاہے کہ اس سے کچھ اور کام لیا جائے، اس خواب کے بعد میں بہت حیرت میں پڑ گیا کہ میں کسی کام کا نہیں ساری عمر یونہی بے کار ضائع کی، اب کیا کرلوں گا اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق میں کیا کروں، میرا حاضری کا منہ ہی نہیں۔ مگر کچھ دنوں بعد چچا جان کا واقعہ یاد آیا، وہ یہ ہے کہ جب چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) مدینہ منورہ آئے تو اُن کا ارادہ یہاں ٹھہر جانے کا ہوا، روضۂ اقدس سے اشارہ ہوا کہ ہندوستان جاؤ تم سے کام لینا ہے، چچا جان نے فرمایا کہ میں بہت دنوں تک پریشان رہا کہ بولنا مجھے نہیں آتا تقریر مجھے نہیں آتی میں ضعیف کیا کام کروں گا، کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے بڑے بھائی مولانا سیّد احمد صاحب نے جب انہیں پریشان دیکھا تو کہا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو بلکہ کہا گیا ہے کہ تم سے کام لیا جائے گا، لینے والا خود لے لے گا، اس کے بعد چچا جان کو اطمینان ہوا، ہندوستان آکر تبلیغی کام شروع ہوا اور ماشاء اللہ خوب چلا۔ میں نے بھی سوچا کہ یوں نہیں کہا گیا کہ تو کر بلکہ یوں فرمایا گیا کام لیا جائے گا، میں سوچتا ہی رہا...... (غـور فـرمـائیے ! کون

سوچتا رہا؟ امامِ وقت، ولی کامل جس کا سوچنا للّٰہ اور من اللہ تھا، وہ عنایتِ الٰہی کے رخ کا ادراک کرنے والا تھا۔ ان جیسوں کے متعلق پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء کے قلوب ارادۂ خداوندی کا دروازہ ہوتے ہیں اور بزرگوں نے فرمایا کہ اُن کے افکار و توجہات توجہ الیٰ اللہ سے متحد ہوتے ہیں، ان کے قلوب نظرِ باری تعالیٰ اور تجلّیاتِ الٰہی کے محل ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک ذاکر شاغل صاحبِ حضوری نے حضرت شیخ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ان کے دل میں جو خیال آتا ہے وہ اوپر ہی سے آتا ہے اور (مجالسِ ذکر کے قیام کے لئے) سفر کے متعلق فرمایا کہ اس سے بڑا اور کیا کام ہو سکتا ہے)...... اس کے بعد حضرت تحریر فرماتے ہیں کچھ دنوں بعد خیال ہوا کہ ذکر و شغل کی لائن بالکل ٹوٹ گئی ہے، ہندوستان پاکستان کی اکثر خانقاہیں برباد ہو گئیں ہیں اس واسطے شاید حضرت گنگوہی کی بھی یہی منشاء ہو کہ ذکر و شغل ان کی خانقاہ کا اہم مشغلہ تھا اور جب حضرت آنکھوں سے معذور ہو گئے تو تعلیم کی جگہ بھی ذکر و شغل نے لے لی تھی۔ اس لئے مجھے ذکر و شغل کا اہتمام ہو گیا اور اسی بناء پر اپنے معمولات اور معذوری کے باوجود لندن، پاکستان اور اب افریقہ جہاں جہاں بھی خانقاہیں قائم کرنے کا وعدہ ہو، جس حال میں بھی ہُوں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں، اللہ کرے یہ کام اللہ کے فضل سے کچھ چل نکلے اور یہی مراد حضرت کی بھی ہو تو کچھ سرخروئی ہو جائے'' انتھیٰ۔

اس کے بعد سفر نامہ میں حضرت کا دوسرا خواب لکھا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت کو قطب الاقطاب بنا دئے جانے کی بشارت ہے اور اس کو دوسروں پر ظاہر کر دینے کا حکم ہے بہر حال حضرت نے اپنی عمر کے آخری دور میں جبکہ نئی صدی شروع ہو رہی تھی اپنی تمام تر توجہ اس اہم دینی شعبہ کی جانب مبذول فرمادی اور باوجود اپنی ضعیفی، پیرانہ سالی، گوناگوں اعذار کے اور ساری عمر اسفار سے نامانوس ہونے کے اس مقصدِ عظیم کے لئے دور دور اسفار شروع فرمادئے، اس سلسلہ میں حضرت نے جو قربانی دی اور اس کے جو نتائج نکلے اس کو انشاء اللہ آگے بیان کریں گے، یہاں پر پہلے اس مقصدِ عظیم کی فضیلت اور ضرورت کو بیان کرنا ہے۔

فہرست مضامین

مجالسِ ذکر کے فضائل میں

بیس ۲۰ احادیث

(حضرت شیخؒ کی کتاب فضائلِ ذکر سے)

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه﴾
''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو اُن لوگوں کے پاس بیٹھنے کا پابند کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں''۔

ا۔ مسجد نبوی علیٰ صاحبھا الف الف صلوٰۃ وسلام میں مجلس ذکر

مجالسِ ذکر کے لئے اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سیّد الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے پاس بیٹھنے کے لئے پابند فرمایا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں ایسے مبارک لوگوں کے پیدا ہونے پر اللہ کا شکر اور اُس کی حمد وثناء کی، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن سھل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ میں تھے کہ آیت ''واصبر نفسک'' نازل ہوئی حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے پر ان لوگوں کی تلاش میں نکلے، ایک جماعت کو دیکھا کہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہے، بعض لوگ اُن میں بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں اور خشک کھالوں والے اور صرف ایک کپڑے والے ہیں (کہ ننگے بدن صرف ایک لنگی ان کے پاس ہے) جب

فہرست مضامین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ خود مجھے اُن کے پاس بیٹھنے کا حکم ہے۔

۲۔ذاکرین کی جماعت کو اپنا رفیق اور ساتھی فرمانا

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو تلاش فرمایا تو مسجد کے آخری حصہ میں بیٹھے ہوئے پایا کہ ذکر اللہ میں مشغول تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے میری زندگی ہی میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ مجھے اُن کے پاس بیٹھنے کا حکم فرمایا، پھر فرمایا تم ہی لوگوں کے ساتھ زندگی ہے اور تمہارے ہی ساتھ مرنا ہے یعنی مرنے جینے کے ساتھی اور رفیق تم ہی لوگ ہو۔

۳۔ذاکرین کی جماعت (مجلسِ ذکر) پر نزولِ رحمت

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی وغیرہ حضرات صحابہ کرام کی ایک جماعت ذکر اللہ میں مشغول تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہ لوگ چپ ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کیا کر رہے تھے؟ عرض کیا ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ رحمتِ الٰہی تم لوگوں پر اُتر رہی ہے تو میرا بھی دل چاہا کہ آ کر تمہارے ساتھ شرکت کروں، پھر فرمایا الحمد للہ! اللہ جل شانہٗ نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کے پاس بیٹھنے کا مجھے حکم ہوا۔ ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ "الذین یدعون" سے مراد ذاکرین کی جماعت ہے۔

۴۔اللہ کی رحمت سے دوری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ملعون (اللہ کی رحمت سے دور) ہے مگر اللہ کا ذکر اور وہ چیز جو اس کے قریب ہو اور عالم اور طالبِ علم"۔ یعنی علم

وذکراوران کے متعلقات ومُعین چیزوں کے علاوہ دنیا کی ہر چیز اللہ کی رحمت سے دور ہے، بلکہ نماز جیسی عبادت جس میں ذکر اللہ نہ ہووہ اللہ سے بعد کا باعث بنتی ہے ،اس سے اندازہ کرلیں کہ دنیا کے باقی امور، کسبِ معاش،معیشت ،معاشرت ،خدماتِ خلق ،خدماتِ سیاسیہ اوردعوت وتبلیغ وغیرہ جن سے سراسر مخلوق ہی کی طرف متوجہ ہونا ہوتا ہےاُن میں استحضارِنیت اوراستخلاصِ نیت کی کتنی ضرورت ہے،جس کاحصول اعلیٰ درجہ کے ذکر اللہ کے بغیر ناممکن ہے ،ورنہ یہ سب امور اللہ کی رحمت سے دوری کا باعث بنیں گےاورفتنہ ہوں گے کہ ان کا ظاہر باعث قرب معلوم ہوگااور باطن باعثِ بعداورخرابی ہوگا۔

۵۔مجلسِ ذکرمیں ذاکرین کی برکت سے پاس بیٹھنے والاغیرذاکربھی بخش دیا گیا

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتوں کی ایک جماعت ہے جوراستوں وغیرہ میں گشت کرتی رہتی ہےاور جہاں کہیں اُن کواللہ کاذکرکرنے والی جماعت ملتی ہے تووہ آپس میں ایک دوسرے کوبلاکرسب جمع ہوجاتے ہیں اورذکرکرنے والوں کے گردآسمان تک جمع ہوتے رہتے ہیں، جب وہ مجلس ختم ہوجاتی ہےتووہ آسمان پرجاتے ہیں،اللہ جل شانہٗ باوجودیکہ ہرچیزکوجانتے ہیں پھربھی دریافت فرماتے ہیں کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ تیرے بندوں کی فلاں جماعت کے پاس سے آئے ہیں جوتیری تسبیح اورتکبیراورتحمید بڑائی بیان کرنے اورتعریف کرنے میں مشغول تھے ،ارشادہوتا ہے کیااُن لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں یااللہ! دیکھاتونہیں ،ارشادہوتا ہے کہ اگروہ مجھے دیکھ لیتے توکیاحال ہوتا؟ عرض کرتے ہیں اوربھی زیادہ عبادت میں مشغول ہوتے اوراس سے بھی زیادہ تیری تعریف اورتسبیح میں منہمک ہوتے ،ارشادہوتا ہے کہ وہ کیاچاہتے ہیں؟ عرض کرتے ہیں کہ وہ جنت چاہتے ہیں،ارشادہوتا ہے کہ کیااُنہوں نے جنت کودیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں دیکھاتونہیں ،ارشادہوتا ہے

کہ اگر دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ عرض کرتے ہیں کہ اس سے بھی زیادہ شوق اور تمنا اور اُس کی طلب میں لگ جاتے، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ عرض کرتے ہیں کہ جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے، ارشاد ہوتا ہے کہ کیا اُنہوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ اگر دیکھتے تو کیا ہوتا؟ عرض کرتے ہیں کہ اور بھی زیادہ اُس سے بھاگتے اور بچنے کی کوشش کرتے، ارشاد ہوتا ہے اچھا تم گواہ رہو کہ میں نے اُس مجلس والوں کو سب کو بخش دیا، ایک فرشتہ عرض کرتا ہے یا اللہ فلاں شخص اُس مجلس میں اتفاقاً اپنی کسی ضرورت سے آیا تھا، وہ اس مجلس کا شریک نہیں تھا، ارشاد ہوتا ہے کہ یہ جماعت ایسی مبارک ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں ہوتا (لہٰذا اُس کو بھی بخش دیا)

۶۔ خانقاہ کا مجمع... چہروں پر نور... موتیوں کے ممبر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن اللہ جل شانہٗ بعض قوموں کا حشر ایسی طرح فرمائیں گے کہ اُن کے چہروں میں نور چمکتا ہوا ہوگا، وہ موتیوں کے ممبروں پر ہوں گے، لوگ اُن پر رشک کرتے ہوں گے، وہ انبیاء اور شہداء نہیں ہوں گے، کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اُن کا حال بیان کر دیجئے کہ ہم اُن کو پہچان لیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی محبت میں مختلف جگہوں سے، مختلف خاندانوں سے آ کر ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔

خانقاہ والوں کے لئے جنت میں یاقوت کے ستون، زمّرد کے بالاخانے

۷۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ جنت میں یاقوت کے ستون ہوں گے جن پر زبرجد (زمرد) کے بالاخانے ہوں گے، اُن میں چاروں طرف دروازے کھلے ہوئے ہوں گے، وہ ایسے چمکتے ہوں گے جیسے کہ

نہایت روشن ستارہ چمکتا ہے، اُن بالاخانوں میں وہ لوگ رہیں گے جو اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہوں اور وہ لوگ جو اللہ ہی کے واسطے ایک جگہ اکٹھے ہوں اور وہ لوگ جو اللہ ہی واسطے آپس میں ملتے جلتے ہوں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں: آج خانقاہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح الزام ہے، ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں، آج اُنہیں جتنا دل چاہے برا کہہ لیں کل جب آنکھ کھلے گی اُس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے جب وہ اُن ممبروں اور بالاخانوں پر ہوں گے، اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کر لے گئے ؎

فَسَوفَ تَرىٰ اِذَا انْكَشَفَ الغُبَارُ　　　اَفَرَسٌ تَحتَ رِجلِكَ اَمْ حِمَارٌ

(ترجمہ: ”عنقریب جب غبار چھٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر“)

ان خانقاہوں کی اللہ کے یہاں کیا قدر ہے جن پر آج چاروں طرف سے گالیاں پڑتی ہیں (یہ کئی سال پہلے کی حالت لکھی ہے لیکن اب کچھ خانقاہیں تو بند ہی ہوگئیں اور کچھ تباہ ہوگئیں کہ خانقاہی اعمال ومقاصد سے خالی ہوگئیں) یہ اُن احادیث سے معلوم ہوتا ہے جن میں اُن کی فضیلتیں ذکر کی گئیں ہیں۔“

۸۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ آسمان والوں کے لئے ایسا چمکتا ہے جیسے زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔

۹۔ ایک حدیث میں ہے کہ ذکر کی مجالس پر سکینہ (ایک خاص نعمت) نازل ہوتی ہے، فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، رحمتِ الٰہی اُن کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ جل شانہٗ عرش پر اُن کا ذکر فرماتے ہیں۔

۱۰۔ ابورزین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے دین کی تقویت کی چیز بتاؤں جس سے تو دونوں جہاں کی بھلائی کو پہنچے وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مجلسیں ہیں، اُن کو مضبوط پکڑ اور جب تنہا ہوا کرے تو جتنی بھی قدرت ہو اللہ کا ذکر کرتا رہ۔

۱۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان والے اُن گھروں کو جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسا چمکدار دیکھتے ہیں جیسا کہ زمین والے ستاروں کو چمکدار دیکھتے ہیں۔ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں یہ گھر جن

میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسے روشن اور منوّر ہوتے ہیں کہ اپنے نور کی وجہ ستاروں کی طرح چمکتے ہیں اور جن کو اللہ جل شانہٗ نور کے دیکھنے کی آنکھیں عطا فرماتے ہیں وہ یہاں بھی اُن کی چمک دیکھ لیتے ہیں، بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو بزرگوں کا نور، اُن کے گھروں کا نور اپنی آنکھوں سے چمکتا ہوا دیکھتے ہیں (اسی طرح گناہوں اور نافرمانیوں سے جو ظلمت برستی ہے اس کا بھی ادراک ہو جاتا ہے)

۱۲۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ افضل ترین رباط نماز ہے اور ذکر کی مجالس ..... ''رباط'' کہتے ہیں دارالاسلام کی سرحد کی حفاظت کرنے کو تا کہ کفار اُس طرف سے حملہ نہ کریں۔

۱۳۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ چار عرب غلام آزاد کروں، اسی طرح ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے یہ زیادہ پسند ہے چار غلام آزاد کرنے سے۔

۱۴۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں ایک جماعت کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے تک ذکر میں مشغول رہوں یہ مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، اس طرح عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک ایک جماعت کے ساتھ ذکر میں مشغول رہوں یہ مجھے دنیا اور تمام دنیا کی چیزوں سے زیادہ پسند ہے۔

حضرت شیخ ؒ فرماتے ہیں کہ ان ہی وجوہ سے صبح کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد اوراد کا معمول ہے اور حضرات صوفیہ کے یہاں ان دونوں وقتوں کا خاص اہتمام ہے کہ صبح کی نماز کے بعد عموماً اشغال میں اہتمام فرماتے ہیں اور عصر کے بعد اوراد کا اہتمام کرتے ہیں۔

۱۵۔ مجلسِ ذکر پر اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے فخر فرمانا

حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کس بات نے تم لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے؟ عرض کیا کہ اللہ جل شانہٗ کا ذکر کر رہے

ہیں اوراس بات پراس کی حمد وثناء کررہے ہیں کہ اُس نے ہم لوگوں کواسلام کی دولت سے نوازا، یہ اللہ کا بڑا ہی احسان ہم پر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا خدا کی قسم صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہیں، حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بدگمانی کی وجہ سے میں نے تم لوگوں کوقسم نہیں دی بلکہ جبرئیل میرے پاس ابھی آئے تھے اور یہ خبر سنا گئے کہ اللہ جل شانہٗ تم لوگوں کی وجہ سے ملائکہ پرفخر فرما رہے ہیں۔ (ف) یعنی میں نے جوقسم دے کر پوچھا اس سے مقصود اہتمام اور تاکید تھی کہ ممکن ہے کوئی اور خاص بات بھی اس کے علاوہ ہواور وہ بات اللہ جل شانہ کے فخر کا سبب ہو، اب معلوم ہوگیا کہ صرف یہ تذکرہ ہی سببِ فخر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ دونوں اس کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ارشاد فرماتے تھے کہ جو جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول ہوفرشتے اُس جماعت کوسب طرف سے گھیر لیتے ہیں اور رحمت اُن کو ڈھانک لیتی ہے اورسکینہ اُن پر نازل ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ اُن کا تذکرہ اپنی مجلس میں تفاخر کے طور پر فرماتے ہیں۔

۱۷۔اخلاص سے مجالسِ ذکر میں حاضری سے سیّئات کا حسنات سے بدل جانا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاارشاد ہے کہ جوبھی لوگ اللہ کے ذکر کے لئے مجتمع ہوں اوراُن کا مقصود صرف اللہ ہی کی رضا ہوتو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔

۱۸۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض آدمی ذکر کی کنجیاں ہیں کہ جب اُن کی صورت دیکھی جائے تو اللہ کا ذکر کیا جائے یعنی اُن کی صورت دیکھ کر ہی اللہ کا ذکر یاد آئے۔

۱۹۔ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں وہ لوگ جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آتے ہوں (مجلسِ ذکر میں کچھ لوگ مذکورہ بالا صفت کے بھی ہوتے ہیں،اُن کو دیکھ کر عامی شرکاءبھی متوجہ الی اللہ ہوجاتے ہیں)

فہرست مضامین

۲۰۔ جنّت

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ذکر کی مجلسوں کی غنیمت (فائدہ) کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذکر کی مجلسوں کی غنیمت جنت ہے۔ (احمد)

مجالسِ ذکر کی برکات و مصالح کے متعلق اکابرین کے ارشادات

احادیث کے بعد حقیقت میں کسی اور بیان کی ضرورت نہیں رہتی مگر ہمارے اکابر اعلیٰ اللہ مراتبہم کے اعمال و اقوال حدیث پاک ہی کے شارح ہیں:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ ''التکشف'' صفحہ ۳۲۹ میں تحریر فرماتے ہیں:

ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''نہیں مجتمع ہوا کوئی مجمع کسی گھر میں اللہ کے گھروں میں سے کہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہوں اور باہم اُس کو پڑھتے پڑھاتے ہوں مگر نازل ہوتی ہے اُن پر کیفیت تسکین قلبی اور ڈھانپ لیتی ہے اُن کو رحمت اور گھیر لیتے ہیں اُن کو ملائکہ اور ذکر فرماتے ہیں اُن کا اللہ تعالیٰ اُن (ارواح و ملائکہ) میں کہ جو اللہ کے پاس ہیں''۔

ف نمبرا۔ عادۃ ذکرِ حلقہ:

بہت سے ذاکرین کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے سے 'دل چسپی ذکر میں' اور تعاکسِ

انوارِ قلوب میں، اور نشاط اور ہمت کا بڑھنا، اور سستی کا دفع ہونا، اور مداومت میں سہولت وغیرہ منافع حاصل ہوتے ہیں، اس کو ذکرِ حلقہ کہتے ہیں، اس حدیث میں (اسی طرح گذشتہ احادیث میں) اس کی اصل مع اشارہ کے اِس کی برکات کی طرف موجود ہے۔

ف نمبر۲۔ بناءِ خانقاہ بغرضِ اجتماع فی الذکر:

حضراتِ صحابہ وتابعین بوجہ قوّتِ قلب، وقربِ عہدِ فیض مہد، تحصیلِ ملکۂ ذکر میں محتاج خلوتِ مکانی کے نہ تھے، بعد میں تفاوتِ احوال وطبائع کے سبب عادۃً اِس ملکہ کی تحصیل موقوف ہوگئی خلوتِ مکانی وبعد عن عامۃ الخلق پر، اُس وقت حضراتِ مشائخ میں خانقاہ بنانے کی رسم بمصلحتِ محمودہ ظاہر ہوئی، ہر چند کہ اِس حدیث میں بناءً علی المشہور "بیوت اللّٰہ" کی تفسیر "مساجد" کے ساتھ کی گئی ہے، لیکن اطلاقِ لغت اور اشتراکِ علت کی بناء پر "خانقاہوں" کو بھی اس کے عموم میں داخل کرنا مستبعد نہیں۔

ف نمبر۳۔

مشاہدہ شاہد ہے کہ اشتغال بالذکر سے قلب میں ایک کیفیتِ غریبہ لذیذہ پیدا ہوجاتی ہے اور مواظبت سے اس میں رسوخ ہوجاتا ہے، صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو نسبت کہتے ہیں، اس حدیث میں صراحۃً اس کا بیان ہے، اور سکینہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت شیخؒ "فضائل ذکر" میں تحریر فرماتے ہیں کہ قلوب کے اجتماع کو اللہ جل جلالہٗ کی رحمت ورأفت کے متوجہ کرنے میں خاص دخل ہے اس وجہ سے جماعت کی نماز مشروع ہوئی اور یہی بڑی وجہ ہے کہ عرفات کے میدان میں سب حجاج بیک حال ایک میدان میں اللہ کی طرف متوجہ کئے جاتے ہیں جیسا کہ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں متعدد جگہ اس مضمون کو اہتمام سے ارشاد فرمایا ہے۔ انتھیٰ

حضرت حکیم الامتؒ نے حلقۂ ذکر (اجتماعی ذکر) کی برکات اور اصل کے لئے بطور دلیل حدیث

پاک نقل فرمائی ہے، پھر فائدہ میں اجتماعی ذکر کے جو مصالح اور منافع چار سطروں میں گنادئے ہیں وہ اتنے جامع کافی اور شافی ہیں کہ سب بزرگوں نے مجالسِ ذکر کے فوائد میں ان ہی چیزوں کو بیان کیا ہے، ہم یہاں حضرت حکیم الامت اور حضرت شیخ ہی کے ملفوظات نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں، کیونکہ حضرات نقشبندیہ کے یہاں تو حلقۂ توجہ بہت ہی ضروری ہے، جہاں بھی اس سلسلہ عالیہ کی تعلیم ہوگی حلقہ کا اہتمام بھی جروری ہے، دیگر حضرات قادریہ اور چشتیہ کے یہاں اگرچہ اجتماعی ذکر کا سلسلہ ہمیشہ سے رہا ہے مثلاً ہمارے قریب کے اکابرین میں حضرت گنگوہیؒ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ، اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ، حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور ان حضرات کے خلفاء کے یہاں بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ کے مبارک دور میں حضرت کی خانقاہ میں اجتماعی ذکر کا رواج نہیں تھا، کیونکہ جو منافع ومصالح خود حضرت نے شمار فرمائے ہیں وہ خانقاہ شریفہ میں اور حضرت کی موجودگی میں علیٰ وجہ الاتم موجود تھے، خاص طور پر خانقاہ شریف کے انوار وبرکات تو محلِ واحد کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ہر مقیم خانقاہ کو حاصل تھے، اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی مبارک زندگی ہی میں مختلف دور گذرے ہیں، پہلے خود حضرت شیخ اپنا سلوکی ذکر ''قبرستان حاجی شاہ'' یا حضرت ضامن صاحب شہیدؒ کے مزار پر تنہا کرتے تھے اور جب مسندِ درس کے ساتھ ساتھ ارشاد وتربیت کا سلسلہ بھی شروع فرمادیا تو اپنے خدام کو حسبِ مناسبت اپنے اکابرین کی آباد خانقاہوں میں بھیج دیتے تھے، اور جن کو اپنے ہی پاس رکھتے وہ حضرات اپنے اپنے اوقات میں ذکر وشغل میں مشغول رہتے تھے، اجتماعی نظم نہ تھا، پھر جب ایک ایک کرکے خانقاہیں ختم ہونا شروع ہوگئیں اور طالبین میں عام طور پر ضعفِ ہمت اور سستی آگئی' ذکر وشغل سے دل چسپی نہ رہی' بے ذوقی اور بے طلبی کا دور آگیا اور مادیت کے غلبہ سے قلوب میں بالکل ہی اندھیرا آگیا' موجودہ مشائخ کرام جو اکابرین کے خلفاء ہیں اُن میں ظاہر ہے کہ اکابرین جیسی قوتِ نسبت نہیں پائی جاتی الاماشاء اللہ اس لئے تعاکسِ انوار کی بھی ضرورت پیدا ہوگئی

اور فارغ ہوکر شیخ کی خانقاہ میں چلّے گذارنے کا رواج ختم ہوا تو ایسے ذرائع پر خصوصی توجہ کی ضرورت پڑی جن سے خانقاہی مقاصد کچھ تو حاصل ہوسکیں، ان ذرائع اور تدابیر میں اہم چیز مجالسِ ذکر کا قیام ہے جس پر حضرت شیخ نے بطورِ خاص توجہ فرمائی، ذرائع اور تدابیر کی تبدیلی کے متعلق خود امامِ ربانی گنگوہیؒ کا ایک اصولی ارشاد ہے کہ فرماتے ہیں کہ "باعتبار زمانے کے اختلاف کے تدابیرِ علاج اوّل دوسرے وقت میں بدل جاتی ہیں، جو معالجات کہ سو (۱۰۰) برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو کچھ کہ کتبِ سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں، اُن کا بدل ڈالنا کتبِ طب کے اصل قواعد کے موافق ہے اگرچہ علاجِ جزوی کے مخالف ہو، پس اس کو فی الحقیقت ایجاد نہ کہا جائے گا بلکہ تعمیل اصل اصول کی قرار دی جائے گی"۔ اسی معنیٰ میں حضرت حکیم الامت کا ملفوظ حدیثِ مجلسِ ذکر کے فائدہ نمبر۳ میں گذر چکا، بعنوان "بناءِ خانقاہ بغرضِ اجتماع فی الذکر" فرماتے ہیں کہ:

"حضراتِ صحابہ و تابعین بوجہ قوتِ قلب و قربِ عہدِ فیض ملکہ ذکر میں محتاج خلوتِ مکانی کے نہ تھے، بعد میں تفاوتِ احوال و طبائع کے سبب عادۃً اس ملکہ کی تحصیل موقوف ہوگئی خلوت و بُعد عن عامۃ الخلق پر، اُس وقت حضراتِ مشائخ میں خانقاہ بنانے کی رسم بمصلحتِ محمودہ ظاہر ہوئی"۔ اھ خانقاہ بنانے کے لئے مجلسِ ذکر ابتدائی قدم ہے۔

یہاں ایک اہم تنبیہ اور وضاحت کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ شریعت کے ہر کام میں مقاصد اور ذرائع کا فرق ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے، چاہے کوئی ذریعہ کسی وقت حصولِ مقصد کے لئے کتنا ہی ضروری ہوجائے اور اُس کو بہت اہتمام سے اختیار کیا جائے، اُس پر غیر معمولی زور بھی دیا جائے مگر کبھی اُس کو مقصد کا مقام نہیں دینا چاہیئے ورنہ یہی چیز اُس کو بدعت بنادے گی بلکہ مقصدِ اصلی کو فراموش بھی کرادے گی،

مثلاً یہی مجلسِ ذکر میں شرکت کے لئے کوئی احمق کسی دن وقت پر مجلس میں حاضر ہونے کی خاطر نماز باجماعت ہی کو چھوڑ دے کہ جماعت کے انتظار میں مجلسِ ذکر نہیں مل سکے گی، اپنی ہی پڑھ لوں، یا مجلس کے وقت کسی اور وقتی اہم فریضہ سے لاپرواہی برت لے تو یہ بھی غلط ہے، اگرچہ اس

جماعت کے ساتھ مجلسِ ذکر کا اصل یعنی ذوق وشوق اور عشق کیفیت تو اس جاہل صوفی کو بھی حاصل ہو جائے گی مگر آدابِ شرع اور فرقِ مراتب کی رعایت کے بغیر یہ کیفیات قبولیت اور حصول رضاءِ الٰہی کے لئے کچھ حیثیت نہیں رکھتیں بلکہ عجب اور دوری کا باعث بنتی ہیں۔

دوسری اہم وضاحت یہ ہے کہ تصوّف میں کثرتِ ذکر کی طرح مجلسِ ذکر کی ایسی حیثیت نہیں ہے، مجلس تو ذکر کے معاون کے طور پر ہے، بعض طبیعتوں کو توجہ الی اللہ مجلس سے زیادہ تنہائی میں حاصل ہوتی ہے اور مجلس میں اُن کو تشویش رہتی ہے، لہٰذا مجالس میں شرکت اپنے شیخ، مربّی ومعالج کی زیرِ ہدایت ہونا چاہیئے۔

مجالسِ ذکر کے اقسام اور نوعیت

گذشتہ اوراق میں مجلسِ ذکر کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ ہر قسم کی مجلسِ ذکر کو شامل ہیں خواہ وہ ذکرِ جہری کی مجلس ہو خواہ ذکرِ خفی کی، خواہ رابطۂ ذکر یعنی حلقۂ توجہِ شیخ ہو، خواہ تلاوتِ قرآن، درود شریف وغیرہ اورادکی ہو، بلکہ جو چیزیں ثواب کے لحاظ سے مجازاً ذکراللہ میں شامل ہیں اُن میں اجتماعی شرکت سے بھی انشاء اللہ برکاتِ مجلس حاصل ہو جائیں گی؛ کیونکہ یہ تو اللہ کی یاد میں خواہ وعظ تذکیر ہو، یا تسبیح وتحمید ہو، یا معروف ذکر ہو، اللہ کی نسبت سے قلوب کے ایک جگہ اکٹھا ہونے اور ایک طرف مجتمع ہونے کی برکات ہیں۔ جس کی مثال روشنی کے چھوٹے قمقموں سے دی جاسکتی ہے کہ جب چھوٹے چھوٹے بہت سے بلب ایک جگہ اکٹھے روشن کئے جائیں تو ظاہر ہے کہ روشنی بھی زیادہ ہو جائے گی اور ساتھ ہی عجیب خوشنما منظر بھی ہو جائے گا، مگر روشنی کی تیزی اور روشنی سے استفادہ کے لحاظ سے ۲۵،۲۵ شمع کے چار بلب' ۱۰۰ شمع کے بلب کے برابر نہیں ہو سکتے، اس لئے شیخِ کامل کی موجودگی جیسی بات تو مریدوں کی مجلس سے حاصل نہیں ہو سکتی

ع اللہ اللہ! کیا مزا مُرشد کے میخانے میں تھا

اور پھر شیخ کے ارشادات، تلقینات، نصائح اور توجہات مزید برآں تھیں مگر اب تو مجلسِ ذکر ہی کچھ بدل ہو سکتا ہے۔

اگر مختلف رنگوں اور مختلف طاقتوں کے بلبا کٹھے روشن کئے جائیں تو دوسری قسم کا ایک خوش نما منظر ہوجائے گا، یہی بات بہت سے اچھے نغموں کے یکجا ہونے میں دلربائی پیدا کردیتی ہے، حتیٰ کہ بہت سی چڑیوں اکٹھا چہچہانا کیسا اچھا لگتا ہے! اور اس شور سے دل میں کیسی یکسوئی پیدا ہوتی ہے! اور یہی اجتماع کی بات وفود کی شکل میں تعریف کرنے میں شاہوں کے رحم وکرم اور جُود وسخا کو جوش میں لاتا ہے۔

سلوک میں مجالسِ ذکر کی نوعیت

اوپر جو بہت سی روشنیوں اور نغموں کے جمع ہونے پر خوشنمائی اور دلربائی کی مثال بیان کی ہے تو بعض وقت ان روشنیوں اور نغموں کے سُرور اور اثر کو بڑھانے کے لئے مجلس میں کچھ مزید چیزوں کو بڑھایا جاتا ہے، مثلاً مناسب مشروبات، فواکہ، ٹھنڈی ہوا وغیرہ کے انتظامات کئے جاتے ہیں تو نغمات کے سُرور میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے جو حاضرینِ مجلس کے باطن میں تبدیلی پیدا کرتا ہے مثلاً ماسویٰ سے فراموشی ہونا نغمہ کے مضمون کے مطابق ہمت کا بلند ہونا وغیرہ، اسی طرح مشائخ اور اطباءِ روحانی نے بے ذوقی اور غفلتوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے مجلسِ ذکر میں علاوہ ثواب کے تعلق باللہ اور نسبتِ باطنی کے حصول کے لئے، ذکر کے اثرات کو بڑھانے کے لئے اپنے اپنے زمانے کے حال اور تجربات کے مطابق شریعت کی اجازت وہدایات کی روشنی میں کچھ قیود وشرائط لکھی ہیں۔ ایسی مجلس سلوک کی لائن کی مجلس کہلاتی ہے، آجکل یہ مجالس سلوک کی ترغیب وتبلیغ کا بھی ذریعہ ہیں، سلوک ذکر اذکار کے مختلف طریقوں جہری، خفی وغیرہ کی طرح سلوک کی مجلسِ ذکر کی نوعیت بھی مختلف مشائخ کے یہاں مختلف رہی ہے، بعض جگہ ذکرِ قلبی میں حلقۂ توجّہ ہوتا ہے کہ سب شرکاء ایک ہی سَرِ حلقہ کی طرف متوجّہ ہوکر مراقب ہوتے ہیں، اور اس مجلس میں ایک سلسلہ کے علاوہ دوسرے سلسلہ والوں کی شمولیت مناسب نہیں ہوتی، بعض جگہ ذکرِ جہری آواز ملا کر کرتے ہیں، دیگر کئی طریقے ہیں۔

ہمارے اکابرِ ''سلسلۂ امدادیہ'' کی مجالسِ ذکر

ہمارے سلسلہ میں چشتیہ اور قادریہ کے اذکار اکثر مخلوط ہوگئے ہیں اور فرق بھی زیادہ نہیں، خاص کر دونوں میں جہر تو مشترکہ چیز ہے، اس لئے ہمارے حضرت قدس سرّہٗ کا طریقہ یہ ہے کہ ذکرِ جہر کرنے والے چاہے مختلف حضرات کے مرید ہوں ایک جگہ جمع ہوکر اپنا اپنا ذکر کریں، قلوب کے اجتماع کی برکات تو سب کو حاصل ہوں لیکن ذکر کی مقدار اور طریقہ اپنے اپنے شیخ کا ہو، ایک دوسرے کی آواز اور طریقہ پر دھیان نہ ہو، اگر اتفاقاً کسی سے آواز مل جائے اور یہ بات یکسوئی اور شوق کی زیادتی میں مفید محسوس ہو تو آواز مل جانے کا کوئی حرج بھی نہ سمجھا جائے اور جن حضرات کو ابھی اپنے شیخ سے ذکرِ جہری کی اجازت نہیں ہے وہ دیکھا دیکھی شروع نہ کریں بلکہ اپنے دیگر اوراد اور وظائف میں مشغول رہیں ،اور جو جو فارغ ہوتا جائے رخصت ہوجائے، اس قسم کی مجلس شہر کے لوگ کئی جگہ کرسکتے ہیں۔

اس کے علاوہ بہتر ہے کہ ہر ہفتہ ذکر کی ایک مجلس اپنے بڑے کے ہاں ہوجایا کرے جس میں شرکت کی عام اجازت ہوحتیٰ کہ جنہوں نے ابھی ذکر نہیں لیا اور بیعت بھی نہیں ہوئے وہ بھی شامل ہوجائیں، مگر وہ ذکرِ جہری نہ کریں، وہ مجلس میں بیٹھے رہیں، چاہے خاموش ذکر کو سنتے رہیں چاہے اپنے اوراد کی تسبیحات یا درود شریف پڑھتے رہیں، اس سے اُن کو مجلس کی برکات حاصل ہوں گی اور ذکر کی ترغیب، شوق اور اُن کے حال میں ترقی ہوگی، اور جو مرض، ضعف، بڑھاپا وغیرہ کی وجہ سے معذور ہیں ،ذکر نہیں کرسکتے اُن کو ذکر ہی کرنے کا نفع حاصل ہوگا کیونکہ ایسی بابرکت مجلس میں ان کا متوجہ الی اللہ ہوجانا ظاہر ہے اور یہی زبانی ذکر سے مقصود ہے، دیگر تمام برکات جو گذشتہ احادیث میں مذکور ہوئیں سب حاصل ہوں گی کہ "ھم قوم لا یشقیٰ جلیسھم" کا مژدہ حدیثِ پاک میں آیا ہے، مثلاً فرشتوں کا اس جگہ کو گھیر لینا اور رحمت کا ڈھانپ لینا، اللہ تعالیٰ کا عرش پر شرکاءِ مجلس کا ذکر فرمانا جو بہت ہی اعزاز اور سعادت کی بات ہے، مجلس پر سکینہ یعنی طمانیت اور رحمت کا نازل ہونا، شرکاءِ مجلس کے لئے آسمان سے فرشتہ کا نداء کرنا کہ تم لوگ بخش دیے گئے اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں ،حشر میں چہروں پر نور ہونا اور موتیوں کے ممبروں پر ہونا وغیرہ وغیرہ۔

شیخِ کامل کے اُٹھ جانے کے بعداور شیخ کی عدم موجودگی میں تو اس مجلس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کہ ذاکرین کے قلوب کی روشنیاں جمع ہوکر ایک شیخِ کامل کا بدل ہو جاتا ہے، قلوب کے انوار ایک دوسرے میں منعکس ہوتے ہیں، ذکر شغل کے متعلق ایک دوسرے سے استفادہ اور افادہ کا موقع مل جاتا ہے، مجلس میں حاضری کی پابندی سستی سے ذکر میں ناغہ ہونے سے مانع ہوتی ہے اور ہمت مضبوط رہتی ہے۔

جو نیا آدمی تھوڑی دیر کو مجلس کی برکت محسوس کر لیتا ہے تو اس کو دین میں ترغیب دینے کے لئے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی کیونکہ کتابیں پڑھنے اور باتیں سننے کی تو عام عادت ہے مگر عمل پر طبیعت تب ہی اُبھرتی ہے جب دل پر کچھ اثر ہو۔

اس مجلس کے شروع میں یا آخر میں جیسا مناسب ہو تھوڑی دیر تصوّف کی کوئی کتاب، موت کی یاد یا ذکر اللہ کی ترغیب میں اور درستیٔ اخلاق کے بارے میں مختصر وعظ ہو جائے، اس کے بعد رخصت کی عام اجازت ہو، مگر شیخ یا شیخ کا مجاز اُس وقت یا کسی دوسرے وقت کچھ دیر کے لئے بیٹھے رہیں تا کہ کسی کو ذکر شغل کے متعلق انفرادی طور پر کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لے۔

ختمِ خواجگان:

خانقاہ میں تو روزانہ اور ہفتہ واری مجلسِ ذکر میں اگر شرکاء زیادہ ہوں تو پہلے ختمِ خواجگان ہو جائے، پھر دعاء کے بعد اپنا اپنا ذکر شروع ہو، ختمِ خواجگان بھی مشائخ کے یہاں مختلف طریقوں اور مختلف تعداد میں کیا جاتا ہے، ہمارے حضرت کے طریقے پر اس طرح ہے:

مجلس کے درمیان کپڑا بچھا کر ۳۶۰ دانے رکھے جاتے ہیں، پہلے سب شرکاء تین بار درود شریف پڑھتے ہیں، پھر ہر دانہ پر ایک بار "لَاحوْ لَ وَلاَ قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ، لَامَلْجَأَ وَلَامَنْجَأَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ" پڑھا جاتا ہے، پھر ہر دانہ پر ایک بار بسم اللہ سمیت سورۂ الم نشرح پڑھی جاتی ہے، پھر ہر دانہ پر دوبارہ "لَاحوْ لَ وَلاَ قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ، لَامَلْجَأَ وَلَامَنْجَأَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہ" پڑھ کر سب

شرکاء تین بار درود شریف پڑھتے ہیں، پھر اجتماعی دعاء ہوجاتی ہے۔

درود شریف کی چہل حدیث:

ختمِ خواجگان کا موقع نہ ہو تو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدّس سرّہٗ کی جمع فرمودہ درود شریف صلوٰۃ وسلام کی چہل حدیث جو حضرت کی کتاب زادالسعید میں ہے اور حضرت شیخ الحدیثؒ کی کتاب فضائلِ درود شریف میں ہے اور اب الگ چھپ کر عام شائع ہوچکی ہے، حضرت کے متوسّلین میں اس کا بہت معمول ہوگیا ہے، یہ چالیس مرفوع حدیثیں ہیں، درود وسلام کے سب سے زیادہ معتبر اور سب سے زیادہ فضیلت والے صیغے ہیں، ان کو ایک دفعہ پڑھ لیا جائے، مجلس میں ایک آدمی پکار کر پڑھ دے، اس سے چالیس حدیثیں پڑھنے، سننے کا ثواب اور برکات حاصل ہوں گی اور درود شریف کی برکات بھی۔

مقامِ مجلس:

جس گھر میں یہ مبارک مجلس ہوتی ہے وہ گھر آسمان والوں کے یہاں ایسے چمکتے ہیں جیسے زمین والوں کے یہاں ستارے، دیگر انوار وبرکات کا نزول وغیرہ جو گذشتہ اوراق میں گذر چکا سب فضائل حاصل ہوتے ہیں، لہٰذا جس خوش نصیب سعادت مند کے یہاں اس کا انتظام ہو اُس کو آنے والے ذاکرین کا بہت اکرام کرنا چاہیئے، اپنے کو اُن کا خادم سمجھے اور اُن کو اپنا محسن، ہر آنے والے سے تواضع اور اکرام سے پیش آئے، اور حسبِ مرتبت معاملہ کرے، جب کوئی آنے میں سستی کرے تو خود اُن کو مل کر مزاج پُرسی کرے، ترغیب دے، اور صاحبِ خانہ کو چاہیئے کہ اس جگہ کی صفائی، پاکیزگی اور یکسوئی اور کچھ خوشبو کا بھی اہتمام کرے کہ خصوصی فرشتوں کی وہاں کثرت سے آمد ہوگی، لیکن اس میں کوئی چیز اپنے میں مشغول کرنے والی نہ ہو، بہت سادہ انتظام ہو، روشنی فرش وفروش میں نمائش سے سخت احتراز ہو، البتہ گرمی میں پنکھے اور ٹھنڈے پانی کا خیال کرلے۔

فہرست مضامین

فضائل ذکر کی بیس ۲۰ احادیث

اور آدابِ ذکر

مجالس کی جو برکات بیان ہوئی ہیں اُن برکات کی وجہ ایک تو اللہ کی نسبت سے اللہ کی محبت میں جمع ہونا ہے چاہے وہ خوردونوش اور ملاقات ہی کی مجلس ہو، کیونکہ ایسی مجالس بھی فی الجملہ ذکر اللہ سے خالی نہیں ہوتیں، لیکن فضیلت کی بڑی وجہ اللہ کا ذکر ہے اور مجالس کے قیام کی اصل ضرورت اور وجہ بھی ذکر اللہ ہی ہے۔ لہٰذا ذکر اللہ کے مستقل فضائل میں بھی بیس احادیث بیان کی جاتی ہیں، تاکہ بیس مجالسِ ذکر کی مذکورہ حدیثیں اور بیس فضائلِ ذکر کی ملا کر اللہ کے فضل سے ایک چہل حدیث کا ثواب مل جائے ،انهٗ غفورٌ شکورٌ جوادٌ کریمٌ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولذکر اللہ اکبر یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے، علماء اُس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہی وہ چیز ہے جسے نماز، جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں، یہ نہ ہو تو عبادت کیا جسد بے روح ہے اور لفظ بے معنیٰ، چونکہ ذکر ہی سے اخلاص پیدا ہوتا ہے اور اخلاص کے بغیر اعمال مردہ ہوتے ہیں اور علوم بے معنیٰ رہ جاتے ہیں۔

ا۔ قلوب کو چمکانے والا:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کے لئے کوئی صاف کرنے والی، چمکانے والی چیز ہوتی ہے، دلوں کی صفائی کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

(ف) اخلاص کا مدار دلوں کی صفائی پر ہے اور اخلاص کے بغیر کوئی عبادت عبادت نہیں۔

۲۔عذابِ الٰہی سے نجات:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی عمل بندے کو اس قدر خدا کے عذاب سے نہیں بچاتا جس قدر خدا کی یاد بچاتی ہے (ترمذی)

۳۔اللہ تعالیٰ کی معیّت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "میں جب تک بندہ کے ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ مجھ کو یاد کرتا رہے اور میری یاد میں اُس کے ہونٹ ہلتے رہیں"۔(بخاری)

۴۔جہاد سے افضل:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ سے ارشاد فرمایا "کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال سے بہترین چیز ہے ،اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی ہو اور سونے چاندی کو (اللہ کے راستے میں) خرچ کرنے سے بھی بہتر ہو اور (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو وہ تم کو قتل کریں اس سے بھی بڑھی ہوئی" صحابہ نے عرض کیا ضرور بتائیں ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کا ذکر ہے (جو اِن) سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔

۵۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ قیامت کے روز خدا کے نزدیک کون شخص سب سے افضل اور سب سے بلند درجہ والا ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ "اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں" (اس پر) ایک صحابی نے عرض کیا کہ کیا ذکر کرنے والے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے سے بھی افضل اور ارفع ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر (جہاد کرنے

والا) اپنی تلوار سے کافروں اور مشرکوں کو مارے حتیٰ کہ تلوار ٹوٹ جائے (اور وہ شخص یا تلوار) خون میں رنگ جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا ہی افضل رہے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

(ف) یہ عام حالت کو ہر وقت کے اعتبار سے ارشاد فرمایا ورنہ وقتی ضرورت کے لحاظ سے صدقہ جہاد وغیرہ امور سب سے افضل ہو جاتے ہیں، اس وجہ سے بعض احادیث میں ان چیزوں کی افضلیت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کی ضرورتیں وقتی ہیں اور اللہ پاک کا ذکر دائمی چیز ہے اور سب سے زیادہ اہم اور افضل۔

۵۔نفاق سے بری:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے اللہ کا ذکر بہت کیا وہ نفاق سے بری ہو گیا۔ (ترغیب عن البیہقی)

۶۔زندہ اور مردہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا اُن دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے (کہ ذکر کرنے والا زندہ اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے)۔ (بخاری)

۷۔اللہ سے محبّت اور اللہ سے بغض:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ سے محبت کی علامت اُس کے ذکر سے محبت ہے اور اللہ سے بغض کی علامت اُس کے ذکر سے بغض ہے۔

ایک بات:

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! احکام شریعت کے بہت سے ہیں ہی، مجھے ایک چیز کوئی ایسی بتا دیجئے جس کو میں اپنا دستور اور اپنا مشغلہ بنا لوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر سے تو ہر وقت رطب اللسان رہے۔

۸۔آخری بات:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جدائی کے وقت آخری گفتگو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی وہ یہ تھی، میں نے دریافت کیا کہ سب اعمال سے محبوب ترین عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”اس حال میں تیری موت آوے کہ اللہ کے ذکر میں رطب اللسان ہو“۔

۹۔اللہ تعالیٰ بندے کو کب یاد فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اُس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں (جو معصوم ہیں) تذکرہ کرتا ہوں، اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اُس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

۱۰۔نور میں پوشیدہ:

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس رات مجھ کو معراج کرائی گئی تو ایک ایسے شخص پر میرا گذر ہوا جو عرش کے نور میں چھپا ہوا تھا (اُس کو دیکھ کر) میں نے سوال کیا کیا یہ فرشتہ ہے؟ (جواب میں کہا گیا) نہیں! میں نے سوال کیا (تو پھر) نبی ہے؟ تو جواب دیا گیا (یہ نبی بھی نہیں ہے بلکہ) ایک وہ شخص ہے جس کی زبان دنیا میں ذکر اللہ سے تر رہتی تھی اور دل مسجدوں میں لگا رہتا تھا (ابن ابی الدنیا مرسلاً) بحوالہ ”خدا کا ذکر“ مصنفہ مولانا مفتی عاشق الٰہیؒ)

۱۱۔اللہ کا سب سے بڑا احسان:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر رات اور ہر روز خدا کی جانب سے (ایک خاص) صدقہ ہوتا ہے، اپنی مشیت کے موافق وہ جس بندے کے ساتھ احسان کرنا چاہتا ہے وہ صدقہ دے کر احسان کر دیتا ہے (پھر فرمایا) کہ کسی بندے پر اس سے بڑھ کر خدا کا احسان نہیں کہ وہ اپنی یاد اُس کے دل میں ڈال دے۔(ترغیب...... خدا کا ذکر)

۱۲۔روپے تقسیم کرنے والے سے افضل:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص کی گود میں روپے جمع ہوں جن کو وہ تقسیم کرتا ہو اور دوسرا شخص خدا کا ذکر کرتا ہو تو یہ ذکر کرنے والا ہی افضل رہے گا۔

۱۳۔شیطان کا ہٹ جانا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان انسان کے دل پر گھٹنے دے کر بیٹھا ہوا ہے سو جب انسان خدا کا ذکر کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے اور جب (ذکر سے) غافل ہو جاتا ہے تو وسوسے ڈالنے لگتا ہے (بخاری)

۱۴۔ذاکر ہر بھلائی لے گئے:

ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سے مجاہد کا بڑا اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اُن میں سے خدا تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہو، پھر اُن صاحب نے دریافت کیا کہ صالحین میں کس کا بڑا اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہو، پھر اُن صاحب نے نمازیوں اور زکوٰۃ دینے والوں، حاجیوں اور صدقہ دینے والوں کے متعلق

بھی یہی سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب دیا، یہ سوال و جواب سُن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے ابوحفص! ذکر کرنے والے ہر بھلائی لے اُڑے!! اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں۔ (ترغیب بحوالہ خدا کا ذکر)

۱۵۔ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ جو عموماً مجلسِ ذکر میں ہوتا ہے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تمام اذکار میں افضل لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ ہے اور تمام دعاؤں میں افضل الحمد للہ ہے۔

۱۶۔تجدیدِ ایمان...ایمان تازہ کرنا:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ ارشاد فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کو کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

۱۷۔لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کی کثرت:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کا اقرار کثرت سے کرتے رہا کرو قبل اس کے کہ ایسا وقت آئے کہ تم اس کلمہ کو نہ کہہ سکو۔

۱۸۔زبانیں کلمہ کے ساتھ مانوس:

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اعمال (حشر کی ترازو میں اس لئے) سب سے زیادہ بھاری ہیں کہ اُن کی زبانیں ایک ایسے کلمہ کے ساتھ مانوس ہیں جو اُن سے پہلی امتوں پر بھاری تھا، وہ کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ ہے۔

۱۹۔ذکر کے لئے مخصوص ورد:

حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کاارشاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ جل جلالہٗ کی پاک بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ورد تعلیم فرمادیجئے جس سے آپ کو یاد کیا کروں اورآپ کو پکارا کروں،ارشادِخداوندی ہوا کہ لَاالٰہ اِلّا اللّٰہ کہا کرو،انہوں نے عرض کیااے پروردگاریہ تو ساری ہی دنیا کہتی ہے،ارشادہوا کہ لَاالٰہ اِلّااللّٰہ کہا کرو،عرض کیا میرے رب!میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز مانگتاہوں جومجھی کوعطاہو،ارشادہوا کہ اگرساتوں آسمان اورساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اوردوسری طرف لَاالٰہ اِلّااللّٰہ رکھ دیاجائےتولَاالٰہ اِلّااللّٰہ والا پلڑا جھک جائے گا۔

(ف)اس قسم کا مضمون بہت سی مختلف روایتوں میں ذکر کیا گیاہے،اس میں شک نہیں کہ اللہ کے پاک نام کے برابر کوئی بھی چیز نہیں۔

بد قسمتی اورمحرومی ہےاُن لوگوں کے لئے جواس کوہلکا سمجھتے ہیں

اوراب توہلکا ہی نہیں سمجھتے مجالسِ ذکراوراس لائن کی مخالفت اوراستہزاء تک نوبت پہنچ چکی ہے جس کی وجہ سے بےچین ہوکرحضرت نے اس طرف پوری توجہ فرمائی۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆☆

☆☆

☆

مجالسِ ذکر اور ذکر کے فروغ میں حضرت شیخؒ کے اسفار

حضرت کے سفرنامہ انگلینڈ میں حضرت کے اسفارِ ہندوپاکستان، افریقہ، ری یونین اور انگلینڈ کے نظامِ سفر اور حالات بہت تفصیل سے درج ہیں جو چھپے ہوئے سفرنامہ میں ملاحظہ فرمائیں، یہاں اسفار کی اہمیت میں ناظرین کو چند امور کی طرف توجہ دلانا ہے۔

آج کل ذرائعِ سفر اتنے آسان ہو گئے ہیں کہ دور دراز کا سفر کرنا کوئی عجیب بات نہیں رہی لیکن حضرت کے یہ اسفار بعض امور کی وجہ سے زبردست قربانی اور غیر معمولی واقعہ کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی اہمیت مندرجہ ذیل نمبرات کو غور سے پڑھنے، سوچنے اور احساس کرنے پر کچھ سمجھ میں آسکتی ہے، مگر پورا احساس تو مشاہدہ کرنے والوں ہی کو ہوا تھا، ان امور کو اہمیت کے لحاظ سے ترتیب وار بیان کیا جاتا ہے کہ اوّل سب سے کم درجہ کی بات پھر اُس سے اہم پھر سب سے اہم۔

(۱) ناظرین سے معافی چاہتے ہوئے حضرتؒ کی ایک عادتِ مبارکہ عرض ہے کہ حضرت کو بلاضرورت کے خرچ کرنے میں اسراف سے بچنے والا ہی نہیں بلکہ ذاتی راحت کے ضروری اخراجات میں بھی انتہائی تنگی کرنے والا، ایک ایک پیسہ کی ایسی قدر کرنے والا کہ اتنی قدر ہم جیسے لوگ ہزاروں روپوں کی بھی نہیں کرتے' ایسا میں نے کسی اور شخص کو نہیں دیکھا، اور اگر کوئی شخص حضرت کی ساری زندگی کو غور سے دیکھے گا تو انشاء اللہ اُس کو بھی اس باب میں حضرت کی نظیر ملنا مشکل ہوگی...... یہاں حضرت ہی سے سُنا ہوا ایک لطیفہ عرض کردوں جو شاہوں کو شرمندہ کردینے والے سخی

اورغنی القلب ہمارے حضرت پرحرف بحرف صادق آتا ہے، حضرت خرچ کرنے میں اپنی احتیاط کو بخل سے تعبیر فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بخیل کے تین درجے ہوتے ہیں، ادنیٰ یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے پرکوئی پیسہ خرچ نہ کرے، دوسرا درجہ اس سے اوپر ہے کہ اپنے پر بھی کوئی پیسہ خرچ نہ کرے، تیسرا درجہ سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا اُس پر خرچ کرے تو وہ بھی اُس کو پسند نہ ہو، اور میں اس تیسرے اعلیٰ درجہ میں بخیل ہوں۔

اس مزاج کے ساتھ اِن اسفار میں حضرت نے پانی کی طرح روپیہ بہایا، ہر سفر میں جو کچھ اپنے پاس تھا سارے کا سارا ہی خرچ کرکے منتظمین کے حوالے کرنے کے بعد لاکھوں کے قرض کا بار اُٹھانے پر بھی ذرا تامل نہ کیا چنانچہ پہلے نمبر میں ہم **مالی قربانی** ہی کو بیان کرتے ہیں۔

افریقہ کے سفر میں متعدد حضرات کی طرف سے سفر کا کرایہ اور اخراجات ادا کرنے کی پیشکش ہوئی، لیکن حضرت نے اصولی طور پر پہلے ہی شرط کرلی تھی کہ کرایہ اور سفر کا خرچ کسی سے نہیں لوں گا بلکہ خود اپنے پاس سے دوں گا، نیز یہ بھی شرط تھی کہ اس پورے سفر میں کسی سے کوئی ہدیہ قبول نہیں کروں گا، خود حضرت والا کے ہاں سہارنپور میں جو ذاکرین کا اجتماع ہوتا تھا اُس کے متعلق رسالہ اتباعِ سنت میں لکھا ہے کہ سستے زمانے میں ایک دفعہ جب کہ مہمانوں کے اخراجات کے منتظم نے حضرت قدس سرّہٗ کو بتایا کہ چالیس ہزار خرچ ہوگئے ہیں جس میں مہمانوں کے کھانے کا خرچ اور عطایا بھی شامل ہیں (ایک ماہ میں) اس قدر خرچ پر حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے تعجب کا اظہار کیا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

''اگر ذاکرین کے اس مجمع میں سے کسی کے منہ سے ایک دفعہ بھی اخلاص سے اللہ کا پاک نام نکل گیا ہوگا تو میرا سارا خرچ وصول ہوگیا''۔

اس کے بعد گرانی کے دور میں صرف ایک رمضان شریف میں پونے دو لاکھ سے کچھ اوپر خرچ ہُوا۔ خُدّام کو بھی ہدیہ لینے کی اجازت نہ تھی، اپنا اور معذوری کی وجہ سے اپنے چار خادموں کا کرایہ اپنی

جیب خاص سے ادا کیا جو پاکستانی روپے کے حساب سے آجکل تین لاکھ بنتا تھا، دیگر ہمراہ جانے والے قافلہ نے اپنا اپنا خرچ کیا۔

جب جنوبی افریقہ کا سفر طے ہو رہا تھا تو حضرت کے متعلقین میں مولانا محمد سعید انگار اور اُن کے ساتھ آئے ہوئے ری یونین کے وفد نے حضرت سے عرض کیا کہ ہمارے ہاں ری یونین بھی پانچ چھ روز کے لئے تشریف لے چلیں، حضرت نے خدّام سے فرمایا کہ ان سے پوچھو کتنی خانقاہیں بنائیں گے اور کتنے ذاکرین تیار کریں گے؟ اور یہی اپنے تشریف لے جانے کی شرط رکھی۔

مولانا عبدالحفیظ صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ وہاں جانے کی صورت میں اخراجات بہت بڑھ جائیں گے، بلکہ کرایہ ڈیوڑھے سے بھی زیادہ ادا کرنا پڑے گا؛ کیونکہ اس راستے سے افریقہ جانے میں رعایتی ٹکٹ نہیں ملتا بلکہ سال بھر والا لینا ہوگا، حضرت نے فرمایا کوئی حرج نہیں! تم میری بنیادی شرط ذاکرین اور خانقاہوں کی تشکیل کے بارے میں دریافت کرو۔ ری یونین والوں نے وعدہ کیا کہ انشاءاللہ! ''سینٹ ڈینس'' اور ''سینٹ پیٹر'' میں خانقاہیں قائم ہوجائیں گی، دس پندرہ ذاکرین تو موجود ہیں اور کچھ مزید ذکر لینے کو تیار ہیں، پس اسی بات پر آپ نے تشریف لے جانا منظور فرمالیا، ان حضرات نے ٹکٹ وغیرہ لینے پر اصرار کیا، مگر آپ نے اِسے منظور نہیں فرمایا، اس طرح زامبیا اور انگلینڈ کا سفر بھی ہوا، ان اسفار میں خانقاہوں کی جو تشکیل ہوئی وہ آگے آئے گی ۔

۲۔ جانی مجاہدہ

احقر کے توچشم دید حالات ہیں لیکن میں یہاں خود حضرت کے الفاظ یا دوسرے حضرات کے الفاظ نقل کرتا ہوں ، حضرت مولانا علی میاں صاحب زید مجدہم حضرت کی سوانح میں لکھتے ہیں کہ شیخ کو سفر سے طبعی عدمِ مناسبت بلکہ ایک وحشت تھی ، اُن کے لئے (سہارن پور سے) دہلی جانا تو بڑی چیز ہے رائے پور اور دیوبند تک جانا بھی مجاہدۂ عظیم تھا، بارہا ایسا ہوا کہ سفر کے ارادے سے اُن کو حقیقۃً

بخار آ گیا اور واپسی پر تو کئی کئی دن تک صحت اور اعصاب پر اثر رہا۔ رسالہ ''الاعتدال'' میں حضرت خود تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے مجمع سے وحشت ہے، کسی مجمع میں مجھے...... میرے لئے انتہائی مجاہدہ ہے، حتیٰ کہ اپنے کمرے میں اگر تنہا ہوں اور کمرے کی زنجیر کھلی ہوئی ہو تو اس کی بنسبت مجھے اس میں زیادہ لطف اور سکون ہوتا ہے کہ اندر کی زنجیر لگی ہوئی ہو، ناظرین اس بات کو بھی ملحوظ رکھیں کہ حضرت کی یہ حالت جوانی اور صحت کے زمانے کی تھی اور صحت بھی قوت کے لحاظ سے ممتاز تھی۔

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب

سنبھلی مقیم برطانیہ لکھتے ہیں کہ وہ یعنی حضرت (انگلینڈ کے پہلے سفر کے وقت) عمر کے چوراسی (۸۴) سال پورے کرنے والے ہیں، بر سہابرس کے عوارض نے ادنیٰ نقل وحرکت سے بھی معذور کر دیا ہے، ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت بھی مدتوں سے اُن جانثار خدام کے ذریعے پوری ہوتی ہے جنہوں نے اپنی جان کو گویا آپ کی جان سے باندھ رکھا ہے اور شب وروز کے ہر لمحہ میں آس پاس رہتے ہیں۔ انتہیٰ۔

خود سے کروٹ لینا اور اُٹھ کر بیٹھ جانا تو درکنار اپنے ہاتھ سے چائے کی پیالی بھی نہیں اُٹھا سکتے تھے، دوسرا ہی پلاتا تھا، اور کھانے کا نوالہ اور دوا کا چمچہ بھی اکثر دوسرا ہی اُن کے منہ میں ڈالتا تھا، شدید ضعف کی وجہ سے پیشاب اور استنجاء ایسا بے قابو کہ چارپائی کے پاس رکھے ہوئے قدمچہ پر بٹھاتے ہوئے کئی دفعہ کپڑے خراب ہو جاتے اور بدلنے کی ضرورت پیش آتی، اور نماز کے لئے وضو میں کئی خادموں کی ضرورت ہوتی، ہیٹر کے سامنے کرسی پر بٹھلا کر ایک خادم طشت پکڑتا، دوسرا حضرت کے ہاتھ پکڑ کر آگے کرتا اور پانی ڈالتا، تیسرا جلدی سے دُھلے ہوئے عضو کو پونچھ لیتا، مسواک بھی دوسرا ہی اپنے ہاتھ سے کراتا اور بلغم وغیرہ بھی خادم ہی اپنی انگلی سے نکالتا۔ دورانِ سر، بخار، امتلاء، بے خوابی اور دردوں وغیرہ کئی امراض کی تکلیفیں اس ضعف پر مزید تھیں، مگر اس حالت

میں ایک کھلی کرامت اور حیرت انگیز استقامت یہ بھی تھی کہ دل ودماغ حاضر بیدار، ہر چھوٹی بڑی چیز پر نظر، محاسبہ، ڈاک کے جوابات لکھوانے میں پیچیدہ مشکل مسائل کا حل، خدام کے ذریعے تصنیف وتالیف کا سلسلہ، مہمانوں اور مریدوں کی ہر نوع کی نگرانی اور فکر، نمازِ تہجد، اوراد، مراقبہ وغیرہ جملہ عبادات کا اہتمام ایسا تھا کہ حیرت کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا، اس ضعف کے زمانے کے لکھوائے ہوئے طویل خطوط جو سوانح میں چھپ بھی چکے ہیں اُن سے مذکورہ حالت کا اندازہ ہوسکتا ہے، اسی طرح چہرۂ مبارک بھی تندرستوں کی طرح تروتازہ اور شگفتہ تھا، چہرہ کے انوار اور بشاشت کو دیکھ کر مذکورہ بالا ضعف کا کوئی شخص گمان بھی نہیں کرسکتا تھا، دین کے معاملہ میں جزئیات اور سنن مستحبات کا اس حالت میں برابر اہتمام تھا، ایک روز صبح کی نماز مولانا حکیم عبدالقدوس صاحب نے پڑھائی، حضرت کو اس روز غیر معمولی نقاہت تھی، حکیم صاحب نے اختصار کے خیال سے سورۂ تبت اور سورۂ اخلاص پڑھی، سلام پھیرنے کے بعد آہستہ سے فرمایا حکیم جی اگر معوذتین پڑھ لیتے تو قراءت میں سنت بھی ادا ہوجاتی۔

اس مذکورہ حالت میں مدینہ پاک سے لندن اور اس سے بھی آگے بری تک کا سفر، پھر واپسی پر ہندوستان کے سفر کا ارادہ فرمانا ہر کسی کی سمجھ سے بالا چیز تھی، صاف ظاہر تھا کہ اپنے کو موت کے منہ میں ڈالنا ہے مگر حضرت کے مقام کے سامنے کسی کو کھل کر کچھ عرض کرنے کی ہمت بھی نہ تھی۔ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں کہ پچھلا سال (سفرِ لندن تک) تو عوارض اور امراض کی ایسی شدت کا گذر چکا ہے کہ اہلِ تعلق کو ہر وقت کوئی ناشنیدگی سننے کا دھڑکا لگا رہتا تھا، اس لئے جب اس تمام پس منظر میں مئی کے آخری دنوں میں میں نے ایک دن اپنے ایک دوست کی زبان سے اطلاعاً سنا کہ ۷ اجون کو ''شیخ زکریاؒ'' تشریف لا رہے ہیں، یعنی انگلستان تشریف لا رہے ہیں تو صدقنا صدنا قابلِ یقین بات معلوم ہوئی، مگر پھر اُنہوں نے اطلاع اور ذریعۂ اطلاع کی پوری تفصیل بتائی تو خبر کو قابلِ قبول ماننے کے ساتھ ایک طرف اس کی حیرت انگیزی میں کوئی فرق نہیں آیا دوسری طرف ایک ایسے

احساسِ خوش نصیبی کی لذت دل نے اس خبر سے پائی کہ کیسے بیان ہو۔انتہیٰ ۔اس سفر میں حضرت کے مقاصدِ حسنہ میں بہت کامیابی ہوئی اور بخیریت واپسی بھی ہوئی ، پھر اگلے سال فیصل آباد اور ہندوستان کا سفر اور اُس سے اگلے سال ساؤتھ افریقہ ، زامبیا اور انگلینڈ کے دوبارہ اسفار جب طے ہوئے تو صحت وغیرہ کے حالات تو پہلے ہی کی طرح تھے بلکہ بعض عوارضات میں زیادتی ہی تھی کہ اب سن شریف ۸۷ کا شروع ہوگیا تھا، مگر خدّام پہلے سفر میں حضرت کی کرامت ، غیبی امداد اور مالک کا حضرت کے ساتھ غیر معمولی مخصوص معاملہ دیکھ چکے تھے ، مبشّرات ومنامات کی کثرت علم میں آچکی تھی ، اُن سے خصوصی کام لینے والی طاقت قادرِ مطلق کا اشارۂ غیبی سمجھ کر سب ہی فی الجملہ مطمئن تھے ، گو دور والے مُحبّین اس مرتبہ بھی پریشان تھے۔

مقصد کے لئے سب سے اہم اور بڑی قربانی

(اسوۂ ابراہیمی کی مثال)

مولانا عتیق الرحمٰن لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ نے کئی سال ہو چکے کہ اپنے شیخ مولانا خلیل احمد محدِّث سہارنپوریؒ کے اتباع میں اپنی عمر کا آخر محسوس کرتے ہوئے روضۂ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے جوار ہی میں جان دینے اور اسی خاکِ پاک کا پیوند بننے کی آرزو میں مدینہ طیبہ ہجرت فرمالی ہے۔انتہیٰ ۔

حضرت کو عرب کی شہریت مل گئی تھی اس لئے باہر جانے کے لئے ویزا وغیرہ حاصل کرنے کی پابندی تھی ، مسجدِ نبوی کے متصل قیام ، ہر قسم کے راحت وآرام کا انتظام ، حرمین کے رمضان کی بہاریں ، رمضان میں عمرے کرنے کے فضائل ، روزے نماز کا یہاں لاکھ گنا ثواب ، مسجدِ نبوی میں اعتکاف ، اور سب سے بڑھ کر ایک عاشقِ صادق کے لئے حبیبِ خدا سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں فیضیاب ہونا ، حضرت نے ان سب باتوں کو فضائلِ حج اور فضائلِ درود میں خود لکھا ہے ، حضرت نے ان

سب فضائل کو مذکورہ بالا حالت میں تکلیف اٹھا کر قربان کیا، اور سب سے آخری بات مدینہ پاک میں مرنے کی آرزو اور امید کو بھی خطرے میں ڈال کر صحابہ کرام کے ایثار کا نمونہ پیش کیا۔

حدیثِ پاک میں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اس کی طاقت رکھتا ہو کہ مدینہ طیبہ میں مرے، چاہیئے کہ وہیں مرے اس لئے کہ میں اُس شخص کا سفارشی ہوں گا جو مدینہ میں مرے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں اس کا گواہ بنوں گا، حضرت شیخؒ اس کی شرح میں خود ہی تحریر فرماتے ہیں کہ شفاعت سے مراد خاص قسم کی شفاعت ہے (جو عام مؤمنین کی شفاعت کے علاوہ ہوگی) اور طاقت رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کوشش کرے کہ وہاں آخر تک رہے، حضرت نے آگے اس بات کے بہت سے فضائل اور باہر نہ جانے کے متعلق بزرگوں کا عمل نقل فرمایا ہے۔ اس نمبر کی اہمیت محسوس کرنے کے لئے اوّل تو حضرت اقدسؒ کا عشقِ رسول اور دوسرے مدینہ پاک میں موت کے فضائل سامنے ہونے چاہئیں، اس کے لئے فضائلِ حج، فضائلِ درود اور احقر کا رسالہ ''حضرت شیخؒ کا اتباعِ سنّت اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' مطالعہ کریں۔ اگرچہ حضرت کو خود اور حضرت کے خاص متوسّلین کو اور ولی کامل حضرت مولانا بدرِ عالمؒ کو حضرت کے متعلق جنۃ البقیع ملنے کی بشارت مل چکی تھی مگر حضرت شیخؒ ظاہرِ شریعت کے بھی امام تھے، وہ ان چیزوں کا درجہ مبشّرات سے زیادہ ہرگز نہیں سمجھتے تھے، اُس بے نیاز ذات سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ ہندوستان کے سفر میں جب زیادہ طبیعت خراب ہوتی تو یہی فرماتے کہ شاید مجھے گورہی یہاں لے آئی، بہرحال حضرت نے اس روحانی اور قلبی جذبے کا بھی دینی تقاضے کے سامنے کچھ خیال نہیں فرمایا، اور مقصدِ عظیم اور وقت کی ضرورت کے پیشِ نظر سب نامساعد حالات کے باوجود اسفار فرمائے۔ کیا حضرت سے ادنیٰ محبت وعقیدت رکھنے والے کے لئے یہ امور ایسے نہیں کہ ان پر مرمٹا جائے اور اِس وقت اس کام کو سب خدمات پر ترجیح دی جائے جس کے لئے اسفار کئے۔ پھر یہ سب کچھ کر لینے کے بعد یا کریم یا کریم ہی پکارتے ہوئے جب دار البقاء کی طرف تشریف لے گئے

تو اللہ کریم وقدیر نے بھی اپنی شایانِ شان ان مبشّرات کو ایسے پورا فرمایا کہ اہلِ بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے قدموں میں حضرت کے مرشدِ پاک مولانا خلیل احمد محدِّث سہارنپوری کی مرقدِ مبارک کے قریب حضرت کا پُر انوار مزار بنا کہ اسی جگہ کی حضرت کو آرزو تھی۔

حضرت کے اسفار کے مقاصدِ عظیمہ

یہ بات نہ کوئی راز ہے نہ معمہ ہے بلکہ سب کے سامنے کھلی حقیقت ہے کہ حضرت نے یہ اسفار محض مجالسِ ذکر کے قیام کے لئے اختیار فرمائے تھے گو حضرت کے سفر سے بہت سے مکاتیب بھی قائم ہوئے، کئی مساجد کی بنیادیں پڑیں، بہت سے دینی اداروں، دینی جماعتوں کو تقویت ہوئی، مگر یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی حج کو آئے تو بہت سے مشاہد کی زیارت، بعض عظیم شخصیتوں سے ملاقات وغیرہ بہت سے فوائد حاصل کرتا ہے، مگر سفر کا مقصد صرف حج ہی ہوتا ہے، اس طرح حضرت کے غیر معمولی اہمیت والے اسفار صرف خانقاہی نظام، بیعت وارشاد اور مجالسِ ذکر ہی کے لئے تھے، جیسا کہ سفر ناموں میں تفصیل سے درج ہے، سفر کے نتائج یہاں بھی مختصر نقل کرتا ہوں۔

انگلینڈ کے پہلے سفر میں

دار العلوم بری میں مستقل خانقاہ کی صورت بن گئی، مدرسہ کے ساتھ اس طرح خانقاہ کا جوڑ جو حضرت کی دلی خواہش تھی وہ پوری ہوئی، اس کی برکت ہے کہ اس وقت دینی لحاظ سے دار العلوم بری کی دوسری مثال ہمارے علم میں نہیں ہے، اور وہاں سے پورے ملک میں ذکر اذکار کا چرچا اور مجالس کی تشکیل ہو رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

فیصل آباد کے سفر سے

پاکستان میں پہلے دارالعلوم فیصل آباد اور لاہور کی خانقاہوں کو تقویت ہوئی، پھر کراچی میں جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں اور ناظم آباد کراچی میں مجالسِ ذکر قائم ہوئیں جو الحمدللہ ترقی پر ہیں، اس سفر میں راولپنڈی، ٹیکسلا وغیرہ کے کچھ لوگ تیار ہوئے، ان میں حضرت مولانا عزیز الرحمٰن کو اللہ پاک نے نسبتِ خاصہ سے نوازا، کچھ دنوں بعد حضرت نے اُن کو اپنا خلیفہ بنایا، ان حضرات کے ذریعے راولپنڈی، ٹیکسلا میں متعدد مجالسِ ذکر قائم ہوئیں، اور الحمدللہ روز بروز ترقی پر ہیں، چنانچہ کراچی فیصل کالونی، کبیر والا، ملتان، لاہور، آزاد قبائل وغیرہ میں مجالس قائم ہو رہی ہیں۔

ری یونین میں دو جگہ مجالس قائم ہوئیں جن کا ذکر گذشتہ اوراق میں آچکا ہے۔

جنوبی افریقہ میں

زیادہ قیام رہا، ماہِ مبارک بھی وہیں اسٹینگر کی مسجد میں ہوا، یہاں کا حال حضرت کے مجاز حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب کے مضمون ''حضرت کی جامعیت'' سے نقل کرتا ہوں: رمضان شریف میں اور خصوصاً اعتکاف کے دوران حضرت کو کسی کی بھی بات چیت انتہائی گراں گذرتی تھی، ہمیشہ اعلان کرواتے کہ جتنا چاہو کھاؤ، جب تک چاہو سوؤ، جتنا چاہو پڑھو مگر بات چیت بالکل نہ کرو، بس میرے ہاں تو ایک ہی پابندی ہے کہ بات بالکل نہ کرو۔ مگر اس کے باوجود جب پچھلے سال آخری رمضان افریقہ اسٹینگر میں گذرا اور آخری عشرہ میں جب سب ہی متعلقین اعتکاف میں تھے تو حضرت نے اپنے مخصوص خلفاء سے خود حکم فرمایا کہ سب افریقہ والے مجازین کو اکٹھا کر کے اُن سے ترتیب بنواؤ کہ کہاں کہاں مجالسِ ذکر ہوا کریں گی؟ اس میں اُن کے علاوہ اور کون کون شریک ہوا کریں گے؟ ان مجالسِ ذکر کی باقاعدگی اور استمرار و مداومت کی کیا صورت ہوگی؟ جس پر یہ مجلسِ مشاورت تین

چاررات لگاتار ہوتی رہی اور کئی رات اس میں ڈیڑھ دو گھنٹے بھی لگے، روزانہ حضرت کو اس کی کارروائی بھی سنائی جاتی، حضرت بہت ہی مسرّت اور اہتمام سے اس کو سنتے اور بہت دعائیں دیتے، وہاں جو مجالسِ ذکر قائم ہوئیں اُن کی تفصیل سفرنامہ مطبوعہ سے نقل کرتا ہوں۔

متعدد جگہوں پر مجلسِ ذکر تشکیل پائیں جن میں سات جگہیں قابلِ ذکر ہیں:

		سرپرست مجلس	
۱۔	اسٹینگر جامع مسجد	سرپرست مجلس	مولانا یوسف متالا
۲۔	اسپنگو (ڈربن)	......	مفتی بشیر
۳۔	نیوٹاؤن مسجد جوہانزبرگ	......	مولانا سلیمان پانڈور
۴۔	لینیز یا جامع مسجد	......	مولانا محمد ابراہیم بن عبدالرحمٰن میاں
۵۔	مانی گینگ	......	مولانا محمد گارڈی
۶۔	جرستن	......	مولانا موسیٰ پانڈور

ان مقامات پر روزمرہ کی مجالس بھی طے پائیں اور ان کے علاوہ بھی تقریباً چھ سات جگہوں پر مجالسِ ذکر کا قیام عمل میں آیا۔

ایک رؤیاءِ صالحہ:

جمعرات ۲۸ رمضان المبارک کو مولانا سلیمان پانڈور (خلیفہ مجاز حضرت شیخؒ) نے اسٹینگر کی مسجد میں خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تمام مسجد کا معائنہ فرمایا، حضرت کے معتکف کے قریب دو خلوے خالی رکھے گئے تھے، (جو مقامی منتظمین نے مشوروں اور ہنگامی ضرورت کے تحت خالی رکھے تھے) اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشکال فرمایا اور فرمایا کہ یہ تو مہمانوں کے لئے ہونے چاہئیں، یہ سن کر وہ ڈر گئے کہ کہیں میری شکایت حضرت سے نہ ہو جائے۔ اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کے معتکف میں تشریف لے گئے اور آپ سے انتہائی مسرّت

کا اظہار فرمایا، حضرت مدظلہٗ العالی بھی بہت خوش ہوئے، پھر دیکھا کہ حضرت لیٹے ہوئے ہیں اور مجمع بہت زیادہ ہے، پوری مسجد بھری ہوئی ہے، پھر حضرت نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ میں کیا کہوں تھوڑی دیر بعد میں نے جواب دیا یہ ۲۴ گھنٹے کا پروگرام بہت عمدہ ہے، اس کا اثر ہو رہا ہے آپ کے تشریف لانے سے پہلے آپ جیسا کوئی شخص نہیں آیا، اور ایسا رمضان بھی نہیں گذرا ذکر کی مجلس کا تو بہت زیادہ اثر ہوا، اس پر حضرت اقدس مدظلہٗ العالی اس قدر خوش ہوئے کہ خوشی کی انتہاء نہ رہی، آپ کے قریب کوئی بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، اُن سے بار بار رماتے تھے: دیکھو بھائی یہی تو چیز ہے! یہی تو چیز ہے !(دوسرا رویاءِ صالحہ) ایک بزرگ نے خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا قافلہ مسجد کے قریب سڑک پر موٹر کاروں پر مشتمل گذر رہا ہے، اور نعرے لگا رہا ہے حضرت گنگوہی زندہ باد! حضرت گنگوہی زندہ باد!

مجالسِ ذکر کی محسوس برکات:

حضرت کے سفروں میں مجالسِ ذکر کی محسوس برکات اور ان کی انقلابی طاقت کو دیکھتے ہوئے حضرت مولانا عتیق الرحمٰن نعمانی لکھتے ہیں جو سفرنامہ انگلستان کے آخر میں خلاصہ کے طور پر ہے:

غیب اور حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے مگر جہاں تک اپنے دل کی بات ہے سو وہ تو یہی کہتا ہے کہ حضرت کی معذوریاں جس درجہ کی ہیں، ضعف و پیری کی جو کیفیت ہے اور مدینہ ہی کی خاک پاک کا پیوند بننے کی جو آرزو لئے ہوئے آپ مستقلاً اسی خاک سے لگ بیٹھے ہیں، ان باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا بہت ہی مشکل ہے کہ محض کچھ لوگوں کی دلداری کے لئے آپ اس ظلمت کدۂ فرنگ کے سفر پر آمادہ ہو گئے ہوں، بلکہ اس آمادگی کے پیچھے مشیتِ حق کا کوئی ایسا فیصلہ شاید کارفرما تھا جو اس ملک کے مسلمانوں یا خود اس ملک ہی کو کچھ دینے کے لئے کیا گیا ہو، ہماری دانست میں اس سرزمین پر جس انداز اور کیفیت کے گذرے ہیں ایسے انداز اور ایسی کیفیت کا تجربہ اس سے پہلے اس سرزمین نے کبھی یہ دس دن نہیں کیا ہوگا۔ اور لوگوں کے دلوں نے نورِ حق اور رحمتِ حق برسنے کا ایسا تجربہ اس سے پہلے اس سرزمین پر کبھی نہ کیا ہوگا۔ انتہیٰ۔

فہرست مضامین

آجکل مجالسِ ذکر کو سب خدماتِ دینیہ پر مقدم کرنے کی توضیح

مجالسِ ذکر کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے، یہ مجالس کسی نہ کسی صورت میں ہمیشہ سے چل رہی ہیں اور ان کے ساتھ دین کے دوسرے شعبہ جات درس وتدریس ،تصنیف وتالیف ،اصلاح وتبلیغ وسیاسی جدّ وجہد وغیرہ کی بھی بہت ضرورت واہمیّت ہے ،لیکن آجکل حضرت شیخؒ جیسے محدّثِ جلیل وامامِ وقت نے مجالسِ ذکر پر بطورِ خاص کیوں زور دیا؟ اور اس کو تمام خدماتِ دینیہ پر کیوں مقدم کیا؟ حالانکہ ابتداء میں خود حضرت شیخؒ کے یہاں بھی اس مجلس کا خصوصی اہتمام نہ تھا،اس اشکال کا اجمالی جواب تو شروع ہی میں بیان ہو چکا،لیکن اس کی اہمیّت کے پیشِ نظر یہاں تفصیل سے بیان کرتے ہیں،توضیح کے بیان سے پہلے مندرجہ ذیل چار تمہیدات کا بغور سمجھ لینا ضروری ہے:

پہلی تمہید

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۝﴾

(ترجمہ از بیان القرآن) ’’حالانکہ اُن لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اُسی کے لئے خالص رکھیں‘‘

اسی کو احسان واخلاص کہا جاتا ہے اور اسی کا نام اخلاص یا سکینہ بھی ہے جس کے متعلق قطب العالم حضرت گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ العزیز کا ارشاد ہے کہ بعثتِ فخرِ رُسُل صلی اللہ علیہ وسلم اسی (نسبت یا تعلّق باللہ) کے واسطے تھی اور جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم اسی نسبتِ احسان کے حامل تھے۔علیٰ حسبِ مراتبھم۔اور فرماتے ہیں کہ تحصیلِ نسبت (احسان) اور توجّہ الیٰ اللہ مامور من اللہ ہے اگر چہ یہ کلی مُشکِّک ہے کہ ادنیٰ اس کا فرض اور اعلیٰ اس کا مندوب،صدہا آیات واحادیث میں مامور ہونا اس کا ثابت ہے

،اور طرح طرح کے طُرُق واوضاع سے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ خاص حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، گویا ساری شریعت اجمالاً وہی ہے جس کا بسط بوجہِ طول ناممکن ہے، اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت وہر حدیث سے وہی (تعلق باللہ) ثابت ہے۔

اس (نسبت، احسان یا توجہ الی اللہ یا تعلق باللہ) کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ''تفہیمات'' میں فرماتے ہیں کہ تصحیح اخلاص، احسان کو جو اس دین کی اصل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا، قسم اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ جز وشریعت کے مقاصد میں سب سے وقیع فن ہے اور بہت گہرا ہے جملہ شرائع کے مقابلہ میں جو بمنزلہ روح کے ہے بدن کے مقابلہ میں، اِس فن کا تکفل صوفیاء نے کیا ہے، اُنہوں نے خود ہدایت پائی اور دوسروں کو ہدایت فرمائی اور انتہائی سعادت کے ساتھ کامیاب ہوئے، انتہیٰ۔

اسی نسبت کے رسوخ یا ملکہ کو حقیقی ذکر کہا جاتا ہے اور اِسی ملکہ کو اخلاص کہتے ہیں جس کی ابتدا ﴿اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتْ﴾ اور انتہاء ﴿اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ﴾ ہے، ابتداء فرض اور انتہا مندوب ہے، اِس فرض اور مندوب کے درمیان صدہا مراتب ہیں، اور پھر انتہاء میں ترقی غیر متناہی ہے ، کیونکہ وہ ترقی ایسی ذات میں فنائیت ہے جو غیر متناہی ہے۔

نیّت کی اہمیّت

اخلاص کا ادنیٰ درجہ یعنی نیت کا ہونا فرض ہے اور ہر عمل کے لئے شرط ہے' کہ اِس کے بغیر کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی معتبر نہیں، اگر کسی بھی عمل میں غیر اللہ کی نیت کرلی جائے تو وہ عمل شرک بن جاتا ہے خواہ نماز وجہاد جیسا عظیم عمل ہی کیوں نہ ہو، ایسا عمل خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی ہو وہ عمل باعثِ فتنہ اور خرابی ہوتا ہے اور اپنے عامل کو جہنم میں لے جاتا ہے، یہ تو عملِ خیر میں بدنیّتی کا حال ہے، اور عملِ خیر میں عام طور پر بدنیّتی سے زیادہ بے نیّتی ہوتی ہے کہ کوئی نیت ہی نہیں کی جاتی، بس کبھی تو عمل عادت

کے تحت کیا جاتا ہے، کبھی وضع داری کے طور پر اور کبھی اپنی طبیعت کے تقاضے سے، ایسا عمل بے روح اور بے کار ہوتا ہے کہ عمل کی روح تو نیّت ہے، ایسا عمل لایعنی ہوتا ہے، اس میں جان و مال کا محض زیاں ہی ہوتا ہے، اگر چہ بلانیت والے عمل کی صورت اگر نیک ہے تو وہ عمل صورت بلاروح کہلائے گا جس پر کوئی گناہ نہیں، اور بالکل ہی عمل کے ترک سے اچھا ہے کہ کبھی اس میں رُوح پڑ جانے کی امید ہے۔
اور جس عملِ خیر میں اللہ کے لئے ہونے کی نیت ہوگی تو وہ حسبِ مراتبِ نیّت مقبول و مُثمِر ثمرات ہوگا۔

نیّت کے ہونے میں مغالطہ

نیّت کا لفظ تو بہت عام ہے لیکن اس کی حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم ہے، بزرگوں نے بہت تفصیل سے اس کی وضاحت کی ہے، ہم یہاں ''احیاء العلوم'' سے استفادہ کرتے ہوئے اس رسالہ کے مناسب مختصر بیان کرتے ہیں:

کسی حرکت و سکون اور کسی عمل کے لئے جو چیز مُحرِّک اور باعث ہوتی ہے اُس کو نیّت کہتے ہیں، یہ چیز محض خیال نہیں ہوتا بلکہ دِلی اُبھار اور ارادہ ہوتا ہے محض خیال آنے سے کسی عمل کا کرنا یا چھوڑنا وجود میں نہیں آسکتا محض خیال محرِّک نہیں ہوتا، وہ تو وسوسہ ہے جس کا کوئی اثر نہیں، البتہ ہر عمل سے پہلے ایک دلی اُبھار ہوتا ہے جو عمل کا محرِّک بنتا ہے، یہ دلی اُبھار بلاوجہ نہیں ہوا کرتا بلکہ اس سے پہلے اس عمل کے کرنے یا چھوڑنے کے نفع کا علم ہونا ضروری ہے، یعنی عمل سے پہلے علم ہونا چاہیئے کہ اس عمل میں یہ نفع ہے، پھر اس نفع کے پیشِ نظر دل میں اُبھار اور ارادہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عمل کو کیا جائے، اس ارادہ کو نیّت کہتے ہیں، اسی کو ایمان و احتساب کہتے ہیں۔

اس نیّت کا خالص اللہ کے لئے ہونا اتنا آسان اور اپنے قابو کی چیز نہیں ہے کہ بغیر کسی کوشش کے ہر شخص کو حاصل ہو جائے، البتہ کسی بھی کام سے پہلے دل میں زبان سے صرف یہ کہہ دینا کہ اللہ کے لئے ہے' بہت آسان ہے۔ لیکن یہ کہنا حقیقتِ نیّت نہیں یہ صرف ایک وسوسہ کی طرح کا خیال ہے جو عمل کا محرِّک نہیں ہوسکتا، مثلاً کوئی پیٹ بھرا شخص یہ کہے کہ میں نیت کرتا ہوں کہ کھانے کی خواہش کروں

اور اُس کی طرف مائل ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ اتنا کہنے سے اُس کو کھانے کی خواہش ہوجائے اور وہ کھانے کی طرف مائل ہوجائے۔ ہاں اگر اُس کو بھوک کا احساس ہوگا، پیٹ خالی ہوگا اور سامنے پڑی ہوئی چیز کے متعلق علم ہوگا کہ یہ کھانے کی چیز ہے، اس کو کھانے سے بھوک کی تکلیف دور ہوسکتی ہے، اس علم پر اُس کے دل میں کھانے کی خواہش اور اُبھار پیدا ہوگا، اُس وقت کہا جائے گا کہ کھانے کی خواہش کرنے کے متعلق اس کی نیّت سچی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ پیٹ تو بھرا ہوا ہو، بھوک بالکل نہ ہو لیکن کوئی محبوب یا حاکم حکم کرے کہ کھاؤ تو ہم خوش ہونگے ورنہ ناراض ہوں گے، اُس وقت اُس کو کھانے میں اپنا ایک دوسرا نفع یعنی محبوب کا خوش کرنا پیشِ نظر ہوگا اور دلی ارادہ کھانے کی طرف اُبھرے گا اور کھانا چاہے گا، اس وقت بھی اس کا یہ چاہنا اور نیّت کرنا درست ہوگا۔

اور کبھی یہ صورت بھی ہوگی کہ بھوک بھی لگی ہے اور کھانے کے لئے کسی کا حکم بھی ہے، اب طبیعت پر جس جہت کا غلبہ ہوگا نیت میں اُسی جہت کی سچائی ہوگی، وہی جہت کھانے کی محرّک ہوگی، دوسری جہت کا محض خیال اور نام ہی ہوگا، ایسی صورت میں نفس بہت مغالطہ دیتا ہے اور دھوکہ میں رکھتا ہے کہ وہ اشرف اور اعلیٰ جہت ہی کو کھانے کا محرِّک قرار دیتا ہے اور گھٹیا جہت خواہ وہ اصل محرک ہی ہو اُس کو بسا اوقات ظاہر نہیں کرتا، مثلاً کھانا تو اپنی بھوک کی وجہ سے کھائے گا اور حکم دینے والے پر ظاہر کرے گا کہ کھانے کی ضرورت تو نہیں تھی آپ کے حکم کی وجہ سے کھایا' حالانکہ وہ اس کہنے میں جھوٹا ہوگا۔ اور اگر حکم دینے والے سے عشق ہو تو البتہ کھانے میں بھوک کا تقاضا مغلوب ہوگا اور محبوب کا حکم ہی اصل محرِّک ہوگا، اس طرح محرِّکِ خالص بقدرِ عشق ہوگا، حاکم سے جتنی محبّت اور تعلّق ہوگا اُتنا ہی اس کے حکم ماننے میں سچائی ہوگی اور جتنی محبّت وتعلّق میں کمی ہوگی اُتنا ہی اس کے حکم ماننے میں کھوٹ ہوگا اور حکم کے ماننے کا محرّک کوئی دوسری چیز ہوگی جس کو اُس کا نفس اپنے آپ سے اور دوسروں سے چھپادے گا، اور چھپی باتوں کے کُھلنے کے وقت اُس کو نا قابلِ تلافی افسوس ہوگا، جھوٹ بولنے اور حکم ماننے میں کھوٹ کرنے کی سزا پائے گا، چنانچہ حدیثِ پاک میں ہے:

''قیامت کے دن سب سے پہلے تین شخصوں کے متعلق عدالتِ الٰہیہ سے جہنّم کا فیصلہ سُنایا جائے گا۔ سب سے پہلے ایسے شخص کی پیشی ہوگی جو جہاد میں شہید ہُوا ہوگا، جب وہ حاضرِ عدالت ہوگا تو اللہ تعالیٰ پہلے اُس کو اپنی نعمتیں جتائے گا اور یاد دلائے گا، وہ اُس کو یاد آجائیں گی، پھر اُس سے فرمایا جائے گا: بتلا تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا اور کیا عمل کیے؟ وہ عرض کرے گا: خداوندا! میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور تیری رضا طلبی میں جانِ عزیز تک قربان کردی، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے تُو نے تو صرف اس لئے جہاد کیا تھا کہ تُو بہادر مشہور ہو، تو دنیا میں تیری بہادری کا چرچا ہو چکا، پھر اللہ کے حکم سے اُس کو اوندھے منہ جہنّم میں ڈال دیا جائے گا۔ اِسی طرح ایک عالمِ دین اور عالمِ قرآن حاضر کیا جائے گا، اور اُس سے بھی اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تُو نے کیا اعمال کیے؟ وہ کہے گا میں نے تیرے دین اور تیری کتاب کے علم کو پڑھا اور پڑھایا اور یہ سب تیری رضا کے لئے کیا۔ حق تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے تو نے عالم قاری اور مولانا کہلانے کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا، پھر بحکمِ خدا اُس کو بھی جہنّم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد ایک شخص پیش کیا جائے گا جس کو اللہ نے بہت کچھ مال و دولت دیا ہوگا، اُس سے بھی سوال کیا جائے گا کہ تُو نے کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا: خداوندا! میں نے خیر کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں تیری رضا جوئی کے لئے اپنا مال نہ خرچ کیا ہو، حق تعالیٰ فرمائے گا: تُو جُھوٹا ہے، تُو نے صرف اس لئے مال خرچ کیا تھا کہ دُنیا تم کو سخی کہے، تو دُنیا میں تیری سخاوت کا خوب چرچا ہو گیا، پھر اُس کو بھی اوندھے منہ جہنّم میں ڈال دیا جائے گا''۔ (مسلم)

قابلِ غور و عبرت

یہ بات ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص کو اپنے اعمال کے اندر ریاء، شُہرت کی خواہش کا ہونا اور اُس کے بُرے نتیجے کے علم کا شعور اگر دورانِ عمل ہوتو وہ ایسے اعمال نہ کرتے یا اپنی نیّت درست کر لیتے، کیونکہ کوئی شخص جان بوجھ کر جہنّم میں جانے کے لئے اپنی جان نہیں دیتا، خصوصاً صاحبِ

علم آدمی جس کو ریاء اور شہرت کی خواہش کی برائی معلوم ہو، بلکہ یہی مذکورہ مشہور حدیث بھی پڑھی ہو، پڑھائی ہو، اس پر تقریریں بھی کی ہوں، وہ کیسے اپنی نیت کی درستی سے بے فکر ہوسکتا ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حدیثِ پاک میں جن علماء کے متعلق جہنم کے فیصلے کی خبر دی گئی ہے وہ قیامت تک کے آنے والے علماء میں سے ہی ہیں اور جو بھی عالمِ دین ہوگا وہ اس حدیث کو اور اسی مضمون کی دوسری بہت سی احادیث و آیات سے ضرور واقف ہوگا۔ لیکن جیسا کہ اوپر گذرا کہ نیت کے دُرست ہونے میں انسان کو مغالطہ ہو جایا کرتا ہے، عمل کا حقیقی محرّک اور اصلی نیت تو اُسی چیز سے متعلق ہوتی ہے جو طبیعت پر غالب ہو، اب اگر طبیعت پر شہرت، ریاء و نمود کا غلبہ ہوتا ہے، حُبِّ مال، یا حُبِّ جاہ کسی رنگ میں بھی دُنیا اور خواہشات غالب ہیں تو ہر عمل میں اصل مقصود یہی چیز ہوگی لیکن زبان سے لِلّٰہِ تعالیٰ کے الفاظ کہہ لئے جاتے ہیں، اس طرح ساری عمر مغالطہ میں گذر جاتی ہے۔

انسان کی یہ حرکت شب و روز بہت سے کاموں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے کہ کسی کی کوئی خدمت کی کہ ضرورت پڑنے پر یہ ہماری مدد کرے گا، لیکن اس پر فی الحال خلوص ہی ظاہر کیا جاتا ہے، اگر وہ خدمت کا کچھ معاوضہ پیش کرتا ہے تو بڑے استغناء کے ساتھ لینے سے انکار کر دیا جاتا ہے، یہ نفاق کی حالت دوسروں پر تو پوشیدہ رہتی ہی ہے لیکن خطرناک معاملہ یہ ہے کہ جب انسان پر اغراض اور خواہشات غالب ہوتی ہیں اور آدمی کے دل میں ذِکرُ اللہ کی روشنی نہیں ہوتی تو غفلت کی ظلمت میں خود اپنا نفاق نظر نہیں آتا، آدمی اپنی دینی خدمات کے متعلق زبان سے خلوص کے الفاظ کہتا ہے، اپنے کو سچا سمجھتا ہے حالانکہ وہ ریاکار اور منافق ہوتا ہے، اُس کی بدنیتی عمل کی ظاہری شان و شوکت اور اپنے جذبہ کے نیچے دبی رہتی ہے، وہ اپنے عمل کو اپنی خوش فہمی سے اچھا ہی سمجھتا رہتا ہے جس کی خبر اللہ پاک نے دی ہے کہ ﴿ضلّ سعیهم فی الحیوٰة الدنیا وهم یحسبون أنهم یحسنون صنعًا ○﴾ یعنی ”کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے خسارے میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی سب محنت گئی گذری ہوئی اور وہ اِس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں“۔

فہرست مضامین

اور اپنے آپ کو مخلص سمجھنے والے ایسے خوش فہم کو قیامت میں فرمایا جائے گا کذبت ولکنک
.لمت العلم لیقال عالم وقرأت القرآن لیقال ھو قاریٔ فقد قیل یعنی (خدماتِ دینیہ کا اللہ کی
:ضاء کے لئے کرنے کا کہنے میں) تُو جھوٹا ہے''۔

مکمل حدیث گذر چکی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان تینوں شخصوں کو دنیا میں اپنے
عمال کے متعلق جیسا جھوٹا گمان تھا اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اُنہوں نے وہی کہا کہ ہم نے یہ کام تیری
.ضاء کے لئے کئے تھے مگر اللہ پاک نے اُن کے اعمال کی حقیقت اور اُن کی اصل نیت ظاہر فرمادی،
ور اُن کے اس پوشیدہ نفاق اور ریاء کو اتنا بڑا جرم قرار دیا کہ زانی، شرابیوں اور ظالموں سے پہلے انہیں
کو جہنم رسید کرنے کا حکم فرمایا۔ اگر ان لوگوں پر اپنا نفاق پہلے سے ظاہر ہوتا تو کم از کم اللہ تعالیٰ کے
سامنے تو جھوٹ بولنے کی جرأت نہ کرتے۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مذکورہ بالا باتیں سُن کر عام طور پر ایک فقرہ کہہ کر اپنے آپ کو بے
فکر کر لیا جاتا ہے کہ یہ ''بہت باریک اور خفی باتیں ہیں'' انشاء اللہ اُس کی رحمت سے سب قبول ہوگا''۔

حقیقت میں یہ فقرہ بھی خود فریبی کے لئے ہوتا ہے، کیونکہ ذرہ ذرہ کا حساب ہونا اور نیتوں کی
پرکھ ہونا جو قرآن وحدیث میں صاف صاف آ چکا' اُس پر ایمان ضروری ہے اور حدیثِ مذکورہ میں
حساب کے بعد سب سے پہلے اُنہیں کو جہنم رسید کیا جانا بیان ہوا جنہوں نے ظاہر عمل کے اعتبار سے
پیغمبروں والے اُونچے کام کئے تھے، مگر یہاں ریاء کے خفی وجلی ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑا اور جہنم کا حکم
فرماتے وقت بھی رحمان کی رحمت رحمان کے ساتھ ہی ہوگی۔ اور اُس روز رحمت کا ظہور بھی کمال درجہ
کا ہوگا، رحمت پر اُمید کا مطلب اور اُس کا محل ایک مستقل چیز ہے، اس کا بیان انشاء اللہ رسالہ کے
آخر میں آئے گا۔

جو لوگ دنیا میں اللہ والوں سے تعلق قائم کر کے اللہ کی یاد سے خواہشات کے حجابات
دُور کر لیتے ہیں اور اُن کے دل میں نُور اور روشنی آ جاتی ہے' اُس وقت وہ اپنے سابقہ اعمال میں نفاق

اور ریاء کو بھی دیکھ لیتے ہیں، اُن کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے، وہ اپنے سابقہ اعمال کو کالعدم قرار دیتے ہیں، اس میں بزرگوں کے بہت واقعات ہیں، یہاں مثال کے طور پر ایک بزرگ کا تیس ۳۰ برس کی نمازیں لوٹانا نقل کیا جاتا ہے:

حکایت ہے کہ ایک بزرگ جامع مسجد میں ہمیشہ پہلی صف میں نماز پڑھتے تھے، تیس برس کے بعد ایک روز کچھ عذر پیش آیا، تھوڑی سی دیر ہو گئی تو اُن کو دوسری صف میں جگہ ملی، اس وقت اُن کو لوگوں سے بہت شرم آئی کہ لوگوں نے اُن کو دوسری صف میں دیکھا، اس شرم کے آنے پر اُنہوں نے جانا کہ لوگ جو مجھ کو صفِ اوّل میں دیکھتے تھے اس سے مجھ کو خوشی اور راحتِ قلبی ہوتی تھی اور مجھ کو اِس بات کی اُس وقت خبر نہ تھی۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ نیت کرنے میں دل کا اُبھار کسی نفع کے حصول یا مضرّت سے بچنے کے علم کے بعد ہی ہوتا ہے۔ تو جو لوگ خواہشات کے تحت اعمال کرتے ہیں وہ اپنے نفع کو خواہشات کی تکمیل ہی میں سمجھتے ہیں گویا وہ اپنی خواہشات کو نافع، مقصود و مطلوب بنا لیتے ہیں جو کہ معبود بنا لینے کے مترادف ہے، اس طرح خود اپنی خواہشات ہی کے بندے بن جاتے ہیں۔ مگر اپنے منہ سے یہ کہنے والا کوئی بھی نہیں ملے گا کہ میں نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا ہے اور میں اُس کا بندہ ہوں، لیکن دلوں کے بھید جاننے والا فرماتا ہے:

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ﴾ ''(اے مخاطب!) کیا تو نے اُسے بھی دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا''۔

اور اِس حرکت کی مذمت میں فرماتے ہیں:

﴿وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اُس کو (جس نے اپنا خدا اپنی خواہش کو بنا رکھا ہو) باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اُس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا (کہ حق بات کو نہ سُنتا ہے، نہ

فهرست مضامین

دیکھتا ہے، نہ دل میں اُترتی ہے)''۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللهِ ط إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّلِمِينَ ۝﴾ ''یعنی ایسے شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بغیر اس کے کوئی دلیل اللہ کی طرف سے اُس کے پاس ہو''۔

خواہشات وجذبات کے مُختلف مظاہر

طبائع کے اختلاف سے خواہشات بھی مختلف ہوتی ہیں، گندی طبیعتوں کی خواہشیں بھی گندی ہوتی ہیں، مثلاً چوری، زنا، شراب وغیرہ اور ستھری طبیعتوں کی خواہشات مال کی محبت ہوتی ہے، وہ مال کے حصول میں چوری جیسے بدنام اور گھٹیا کام نہیں کرتے بلکہ مہذّب طریقے اختیار کرتے ہیں، مثلاً سود اور حرام تجارتیں کرتے ہیں، ان سے چاہے کتنا ظلم اور اللہ کی نافرمانی ہوجائے۔ اِس سے بلند باوقار طبیعت کی خواہش حُبِّ جاہ ہوتی ہے، اس کا مقصد ہر کام سے یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اُس کی بڑائی، اُس کی عظمت اور محبت ہو اور اُس کی شہرت ہو۔

اسی طرح کوئی خواہش کے تحت خوبصورت کپڑے پہنتا ہے اور دوسرا خواہش ہی کے تحت پھٹے پرانے کپڑے پہنتا ہے کہ جو مقصد خوبصورت کپڑے پہننے سے حاصل ہوتا ہے دوسرے طبقے میں وہی مقصد پرانے کپڑے پہننے میں پورا ہوگا۔ اسی طرح کوئی اپنی شہرت کے اسباب اختیار کرتا ہے تو کسی کو گمنامی میں مزا آتا ہے، کوئی صوفیانہ مجاہدات، تہذیبِ اخلاق اور تقویٰ کا شوقین ہے، اُس کا مقصودِ اصلی یہی تہذیبِ اخلاق اور تقویٰ ہے کہ اس حالت کا شوق ہے، آگے اور کوئی مقصد نہیں، جیسے کوئی امیر آدمی شکار کھیلتا ہے تو یہ شکار کرنا ہی اُس کا مقصد ہوتا ہے، آگے شکار سے گوشت کا حصول اُس کا مطلوب نہیں ہوتا، خطرناک شکار پر قابو پالینا ہی اُس کا مقصد ہے۔ اِسی طرح محض اپنے شوق وجذبات ہی کے تحت

بعض لوگوں کو علوم حاصل کرنے ،علوم کو پھیلانے ،خدمتِ خلق کرنے ،امورِ خیر میں مال خرچ کرنے حتّٰی کہ جہاد میں اپنی جان تک قربان کردینے کا بھی شوق ہوتا ہے ،اِن کاموں کے انجام دینے میں اصل مُحرِّک وہی شوق ہی ہوتا ہے اوران کا رضاءِ الٰہی کے لئے ہونا مغالطہ ہوتا ہے۔

اِس مغالطے، فتنے اوراشتباہ کے متعلّق حضرت امام غزالی ؒ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ تعرّض اِس فتنے کا علماء کو ہے ؛اِس لئے کہ اکثروں کے لئے باعث علم کے پھیلانے کے غلبے کی لذّت اورسُرور کی خوشی اورتعریف کی مسرّت ہوا کرتی ہے اورشیطان ان پر حق کو مخفی کردیتا ہے اورمغالطہ دیتا ہے کہ تمہاری غرض دین کا پھیلانا اورشریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مخالفوں کو دفع کرنا ہے۔

مُخلِص ُ(بکسر اللام) بہت خطرے میں ہوتا ہے

مخلص کے خطرے میں ہونے کو مکرر، سہ کرّ راو پر بیان کردیا گیا ہے کہ خالص نیّت بنانے میں بڑی کوشش کرنی پڑتی ہے اورباریک بینی سے کام لینا پڑتا ہے کیونکہ جو طبیعت کا جذبہ ہوتا ہے ٗعمل کا محرّک اصل تو وہی ہوتا ہے اوراللہ کے لئے ہونا محض زبانی جمع خرچ اورجھوٹ ہوجاتا ہے......کبھی کسی وقت کوئی کام واقعی اخلاص سے ہوبھی گیا تو کچھ عرصہ کے بعد جذبات اس کو پھر خراب کردیتے ہیں، مثلاً بیس برس پہلے ایک کام اخلاص سے کیا تھا،اب طبیعت کے اندر بڑائی کا غلبہ ہوااب اُس کام کو اپنی بڑائی جتانے کے لئے ظاہر کردیا۔اسی طرح کبھی ایک کام کو بظاہر اخلاص سے کیا تھا مگر شروع ہی میں اس کے اندر مخفی ریاء شامل تھی جس کا ظہور دس برس کے بعد ہوا، مثلاً کسی بیمار کی خدمت کی تھی ،اُس وقت تو یہی خیال تھا کہ اللہ کے لئے کررہا ہوں ،دس برس کے بعد جب خود بیمار ہوا تو اُس خدمت لینے والے شخص نے پوچھا تک نہیں ،اُس وقت دس برس پہلے کی ہوئی خدمت پر اگر افسوس ہوگا تو ظاہر ہوجائے گا کہ اس خدمت کا اصل پوشیدہ مقصد رضاءِ الٰہی کے علاوہ کچھ اور بھی تھا۔

غرض کہ نفس کسی نہ کسی خفی یا جلی طریقے سے اچھے اعمال میں اپنا حصہ ضرور لگالیتا ہے بلکہ نفس کی

شمولیت کے بغیر کوئی عمل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ قوتِ محرکہ نفس ہی ہے، اگر وہ نفس اپنی پیدائشی طبیعت پر ہے جو کہ کفر، جہالت اور شرِ محض ہے تو اس کی شمولیت سے اعمال سے شر وفتنہ آجائے گا، اور اگر اُس نفس کی اصلاح ہوگئی اور وہ مطمئنہ ہوگیا تو اس کی شمولیت سے عمل کے اندر اخلاص، طمانیت اور برکت آجائے گی۔

اس تمہید میں مندرجہ ذیل امور کا بیان ہوا:

(۱) دین کی اصل اور مقصود تعلّق باللہ ہے جس سے ہر کام میں خلوصِ نیّت حاصل ہو جائے۔

(۲) خلوصِ نیّت میں مغالطہ ہو جاتا ہے۔

(۳) جذبات، خواہشات کے غلبہ کی حالت میں کسی کام میں خلوصِ نیّت حاصل ہونا، پھر خلوص کا ہمیشہ باقی رہنا بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ بالعموم اس کے اخلاص کو دوام نہیں ہوتا، اور اخلاص کا ہونا عمل میں تکلّف سے نیّت کے حاضر کرنے پر موقوف ہے۔ اسی لئے اکابر سے مقولہ بھی منقول ہے کہ "المخلصون فی خطرٍ عظیمٍ"

دوسری تمہید

یہ ہے کہ اگر آدمی اپنی ہر حرکت وسکون سے پہلے نیّت کو حاضر کرنے اور درست کرنے کے لئے سوچنے بیٹھ جائے اور اپنے ایک ایک عمل کو خواہشات کی آمیزش سے خالی کرنے میں لگ جائے تو زندگی کے بہت سے کام غیر متوازن ہو جائیں گے بلکہ بہت سے کام ہونے سے رہ ہی جائیں گے، مثلاً ایک بیمار کی عیادت کو جانے کے لئے نیّت درست کرنے کے لئے ہو سکتا ہے کہ ایک ہفتہ لگ جائے، اتنے میں وہ بیمار ہی چل دے۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا نیّت محض خلوص کے الفاظ کا نام نہیں کہ دل میں یا زبان سے ادا کرلئے جائیں تو نیّت ہو جائے گی بلکہ نیّت دل کے اُبھار کو کہتے ہیں خصوصاً جن اُمور میں شان وشوکت ہوتی ہے، شہرت اور فخر وغیرہ کے اسباب زیادہ ہوتے ہیں یا دیگر لذاتِ نفس شامل ہوتی ہیں مثلاً دعوت وتبلیغ، درس وتدریس، تلقین وارشاد، تصنیف وتالیف اور خدماتِ خلق، کثرتِ عبادت

اورامورِ سیاسیہ وجہادوغیرہ میں نیت کوخالص کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے کہ ان میں تکبّر، ریاء، عجب، حُبِّ جاہ، حُبِّ مال وغیرہ جملہ آفات اگر کھلم کھلاّ نہیں تو بالواسطہ اور خفیہ طور پر ضرور شامل ہوجاتی ہیں کہ اِن اعمال میں اِن آفات وامراض کے اسباب بکثرت موجود ہوتے ہیں۔

لیکن جب کہ شریعت میں ہر عمل کے ساتھ خلوصِ نیت کا مطالبہ ہے اور خواہشِ نفس کے تحت اعمال کرنے کی وعیدیں ہیں تو ضرور اِس کیفیتِ خلوص کا حصول ممکن ہوگا کہ ارشادِ خداوندی ہے :﴿لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّاوُسْعَھَا﴾ اور دین کو جب اُس کے طریقے سے حاصل کیا جائے تو اُس کے حصول میں آسانی کی بشارت بھی ہے اور بغیر طریقے کو تو ہر آسان اور معمولی چیز بھی کبھی بہت مشکل سے حاصل ہوتی ہے کبھی حاصل ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا خلوصِ نیت جو مندرجہ بالا بیان کے مطابق بہت مہتم بالشان ہے اور اس کا حصول مشکل معلوم ہوتا ہے اس کو حاصل کرنے میں کامیابی کا شرعی طریقہ بیان کیا جاتا ہے۔

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ

احقر اس مضمون کو طول دینے میں معذور ہے کہ تفصیل سے لکھنے کا مامور ہوں اور اس بات سے شرمندہ بھی ہوں کہ خود اپنی حالت بھی خلوص کے منافی ہے لیکن لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہ کے بھروسہ پر لکھ رہا ہوں شاید کسی مخلص کی دعاء لگ جائے اور اللہ کی رحمت سے اُس کے کرم سے مجھے بھی اس ضروری چیز کا کوئی حصہ مل جائے۔ وَمَاذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ ط۔

ہم جسمانی قوّت کے حصول کیلئے غذا کا استعمال کرتے ہیں تو یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ اگر ایک تندرست وقوی معدہ والے کے پیٹ میں جو غذا جاتی ہے تو اس سے صالح خون پیدا ہوتا ہے اور وہ غذا قوت کا باعث بنتی ہے خواہ وہ غذا کتنی ہی معمولی درجہ کی ہو بلکہ اگر اُس میں کچھ تھوڑی سی خرابی بھی

ہو مثلاً کچی اور باسی روٹی ہے تو معدہ کی قوت اس کا مقابلہ کرلیتی ہے اور اگر معدہ بیمار اور کمزور ہے تو اچھی سے اچھی مقوّی غذا بھی ہضم نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات جتنی مقوّی غذا ہوتی ہے اُتنا ہی نقصان زیادہ ہوتا ہے، وہ غذا بیماری اور ضعف کا باعث بنتی ہے ایسی حالت میں مناسب تھا کہ غذا کی بجائے دوا کا زیادہ فکر کیا جاتا، اگرچہ زندہ رہنے کے لئے تھوڑی سی ہلکی غذا بھی ضروری ہے۔

اِسی طرح نیّت میں خلوص کے حصول کے لئے ہم کو پہلے اس جگہ اور اس عضو کے علاج کی ضرورت ہے جہاں سے نیّت پیدا ہوتی ہے۔ یہ اوپر بیان ہو چکا کہ نیّت دل کے اُبھار کا نام ہے وہ دل کی گہرائی سے پیدا ہوتی ہے، اگر یہ دل تندرست اور قوی ہوگا تو اس میں جو نیّت پیدا ہوگی اُس میں تندرستی یعنی خلوص ہوگا، پھر اِس خلوصِ نیّت سے جو عمل ہوگا وہ عنداللہ مقبول، معتبر اور دارین میں مُثمِر ثمرات ہوگا۔ اگر وہ عملِ صالح فرائض یا واجبات میں سے ہوگا تو اُس سے اُسی درجہ کا قرب و رضا حاصل ہوں گے، اگر وہ عمل مباحات سے ہوگا تو خلوص کے بقدر وہ مباح کام بھی بڑی نیکی بن جائے گی یا وہ مباح فرائض سے ملحق ہو جائے گا۔

اگر نیّت کے پیدا ہونے کی جگہ یعنی دل گندہ اور بیمار ہے تو اس سے بہرصورت اصل نیّت خراب ہی پیدا ہوگی، اگرچہ زبان پر اچھی نیّت کے الفاظ ہوں، اور خراب نیّت سے جو بھی اعمال کئے جائیں گے وہ باعثِ فتنہ و فساد و شرور ہوں گے، اِسی کو حدیثِ پاک میں فرمایا گیا ہے: ''الاان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہٗ واذا فسدت فسد الجسد کلہٗ الاوھی القلب''، یعنی جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا بدن ٹھیک ہو جاتا ہے (یعنی بدن سے نکلنے والے سارے اعمال صالح ہوتے ہیں) اور اگر یہ خراب ہو جائے تو سارا جسم ہی خراب ہو جاتا ہے، سُنو! وہ انسان کا دل ہے۔

اس حدیث کے بہت صاف اور واضح ہونے کے باوجود شیطان نے بہت سے لوگوں کو اِس کا اُلٹا مطلب سمجھا رکھا ہے کہ وہ قلب کی اصلاح کے لئے بھی ظاہری بدنی اعمال پر ہی زور دیتے ہیں

حالانکہ حدیثِ پاک میں قلب کی اصلاح کو بدن کی اصلاح کا ذریعہ فرمایا ہے لہٰذا قلب کی اصلاح کے لئے ظاہری اعمال ہی نہیں بلکہ کوئی دوسری چیز بھی ہوگی ، یہاں اس چیز کو بیان کرنا ہے، لیکن پہلے صالح قلب کی تعریف ،صالح قلوب والوں کی حالت کا ذکر ضروری ہے تا کہ اس دوا اور اس چیز کا شوق پیدا ہو جائے ،اور سمجھنے میں بھی آسانی ہو۔

صالح قلب

صالح اور تندرست قلب وہ ہے جس میں قلبی امراض تکبّر ،حسد ،بغض ،کینہ ،حُبِّ مال ،حُبِّ جاہ ،غصہ ،لالچ ،خود پسندی اور نفسانی خواہشات نہ ہوں ۔اور قلبی خوبیاں مثلاً تواضع ،صبر ،شکر ،اللہ کی محبت ،زہد ،قناعت ، وغیرہ پیدا ہو جائیں ،اس کو اصطلاح میں قلب کا تزکیہ ،پھر اس میں اللہ کی یاد پیوست ہو کر اللہ کے فضل سے اللہ کے ساتھ حقی تعلق ہو جائے جس کو نسبت مع اللہ ،خلوص ویقین ،سکینہ اور احسان وغیرہ کہا جاتا ہے۔

صالح ترین قلوب والے

حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قلب کا یہ تزکیہ اور دل میں اللہ کی یاد کا پیوست ہو جانا سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہی سے اعلیٰ درجہ کا حاصل ہو جاتا تھا لا الہ اللہ کہتے ہی مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا تھا ،اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کی تاثیر سے دل کے غبار چھٹ جاتے تھے ،پھر اس نسبت یا ملکہ کے بقاء اور اس کی قوّت کے لئے صوم وصلوٰۃ وتلاوتِ قرآن تبلیغ وجہاد اور اذکارِ مسنونہ ہی کافی ہوتے تھے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی صحبت کا ایسا اثر پڑتا تھا کہ دلوں کے میل کچیل (رذائل) غیر اللہ کی محبت اور ہر قسم کی برائی جاتی رہتی تھی ،صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اس حالت میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث شاہد ہیں ،اس ملکہ کی وجہ سے اُن پر حبّ اللہ تعالیٰ کا غلبہ

تھا کہ مال وجان کو اُس کے مقابلہ میں کچھ اصل نہ جانتے تھے ہزار جان اور ساری دنیا کے عوض رضاءِ نائبِ الٰہی صلی اللہ علیہ وسلم کو مُقدّم جانتے تھے، اسی وجہ سے انہوں نے اپنا تمام خاندان اور آبرو و جان بغیر کچھ دیکھے قربان کر دیا، انہوں نے اپنی خواہشات وجذبات اور ہر قسم کے لحاظ ہر قسم کے نفع ونقصان کے خیال کو رضاءِ الٰہی کے مقابلہ میں ختم کر دیا تھا، وہ رضاءِ الٰہی میں اس قدر فناء ہو گئے تھے کہ اس کے مقابلہ میں آخرت کے درجات کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے، اس حالت کو صوفیاء کی اصطلاح میں فناءِ قلب کہتے ہیں، اور نفس اس کی ہمسائیگی کے سبب امارگی سے باز آجاتا ہے اور مطمئنہ ہو جاتا ہے ایسی حالت میں پورا جسم شریعت کا فرمانبردار ہو جاتا ہے صحابہؑ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ حالت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی، اور اُن کا خلوص اس درجہ کا تھا کہ اُن کا ایک مُد اللہ کے راستے میں دیا ہوا دوسروں کے سونے کے پہاڑ سے بھی زیادہ قیمت اور وزن رکھتا تھا، اُن کے اخلاص کو دوام حاصل ہو چکا تھا، یعنی اخلاص اُن کا ملکہ بن گیا تھا، اُن کی نیّت کا محل درست ہو چکا تھا، اب اُن کو ہر وقت نیت کے درست کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تھی، اُن کے درست قلب سے ہمیشہ بلا تکلف درست نیت ہی پیدا ہوتی تھی، اِسی لئے اُن کے اعمال میں تکلف وتصنّع نہیں تھا، اُن کو نیت کے حاضر کرنے میں تکلف کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

اس کی مثال ایک خوشنویس کے لکھنے سے دی جاسکتی ہے کہ جب کوئی لکھنا سیکھتا ہے تو لکھنے اور لکھنے کے جملہ لوازمات میں اُس کو بہت کچھ تکلف کرنا پڑتا ہے، اگر تکلفات کو اختیار نہ کرے تو لکھنا نہیں سیکھ سکتا، پھر جب خوشنویسی کا ملکہ حاصل کر لیتا ہے تو اس کو خوشخط لکھتے وقت کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ قلم برداشتہ لکھتا جاتا ہے لیکن حروف کے دائرے، شوشے موزوں ہی بنتے ہیں ، نقطے اپنی جگہ پر ٹھیک لگتے ہیں، اُس کو ہر چیز کے لئے غور کرنا، سوچنا نہیں پڑتا، اگرچہ سوچ وغور اور قواعد کا لحاظ کرنا آس کے ہر فعل میں شامل ہوتا ہے، مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر حرکت کے لئے غور وفکر اور نیت نہیں کر رہا، ایسے شخص کو اگر کسی وقت کسی مصلحت سے بدخط لکھنا ہو تو البتہ اُس

کو تکلّف کرنا پڑے گا۔

الحاصل جب کسی کو عشقِ الٰہی حاصل ہو جائے تو اُس کی طبیعت پر محبت غالب ہو گی، اُس کا قلب اسی محبت میں رنگا ہوا ہو گا اور وہ بندۂ مخلص بن جائے گا۔ اب اُس کے اعمال کا محرّک بلا تکلّف محبوب کی رضاء ہی ہو گی اگر چہ افعال مختلف و متقابل ہوں۔ حدیثِ پاک میں فرمایا گیا ہے: ''من احبّ للّٰہ وابغض للّٰہ واعطیٰ للّٰہ ومنع للّٰہ فقداستکمل الایمان'' یعنی جس نے اللہ کے لئے محبت کی ، اُسی کے لئے بغض کیا، اُسی کے لئے دیا اور اُسی کے لئے نہیں دیا تو اُس کا ایمان کامل ہو گیا۔

اس مضمون کو حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

کہ اپنے تمام اعمال وافعال کو نیّتِ صالح کے ساتھ ملانا اور تمام امور میں حتیٰ کہ جو امور بظاہر غفلت معلوم ہوتے ہیں اُن میں بھی رضاءِ الٰہی کو ملحوظ رکھنا یہ کمال مُخلَصین (لام کے زبر کے ساتھ، رہائی یافتہ، چُنے ہوئے اور سراپا اخلاص بن جانے والوں) کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ حضرات عمل میں تصنّع اور تصحیحِ نیت سے آزاد ہو چکے ہیں، اُن کی نیت فناء وبقاء کے ذریعے اکمل طریقے پر تصحیح حاصل ہو چکی ہے اور لام کے کسرہ کے ساتھ مخلِصین (رہائی پانے والے، اخلاص کرنے والے) اِس کمال سے بہت کم حصّہ پاتے ہیں والمخلصون علیٰ خطرٍ عظیم، یہ بزرگوار جو کہ اخلاص کی حقیقت کو پہنچ چکے ہیں اور تصنّع وتکلّف جو کہ لوازمِ طریقت سے ہے' رہائی حاصل کر چکے ہیں، وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے لئے کرتے ہیں اور جو کچھ اُن سے ظہور میں آتا ہے اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے، خواہ وہ نیت کریں یا نہ کریں ،۔ نیت کی ضرورت صرف اُسی عمل میں رہ جاتی ہے جس میں دوسرے احتمال ہوں اور متعیّن عمل میں تصحیحِ نیت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان بزرگوں کا نفس اپنے مولا جلّ شانہٗ کے لئے فدا ہو چکا ہوتا ہے (انتہیٰ)

انہی حضرات کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے (حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق)

﴿انہ من عبادنا المخلَصین O﴾، انہی کے متعلق ان کو گمراہ کرنے میں شیطان نے بھی اپنے عجز کا اقرار کیا، قرآن پاک میں شیطان کا قول نقل فرمایا گیا ہے کہ: ﴿قال فبعزّتک لاغوینّھم اجمعین الاعبادک منھم المخلَصین O﴾ ''بولا تو قسم ہے تیری ذات کی میں گمراہ کروں گا ان سب کو مگر جو بندے ہیں تیرے چُنے ہوئے (مخلصین)

حضرت خواجہ محمد معصومؒ انہیں حضرات کے متعلق آگے فرماتے ہیں کہ چونکہ ان بزرگوں کا نفس اپنے مولیٰ کے لئے فدا ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اپنے اوپر اَنا (مَیں) کا اطلاق شرک جانتے ہیں اس لئے وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ اس (اللہ) تعالیٰ کی طرف لوٹتا ہے جیسا کہ (اس مقام کے حاصل ہونے سے) پہلے وہ جو کچھ کرتے تھے اپنے نفس کے لئے کرتے تھے اور (وہ عمل) نیت (نیّت کے حاضر کرنے) کا محتاج تھا۔ آگے فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ اس قسم کے عارف کی بے ادبی کرنا اور اس کو تکلیف پہنچانا اس (اللہ) سبحانہٗ کو ایذا و بے ادبی تک پہنچانے والا ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کے منتسبات بلا تکلّف اس تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ کے ساتھ منتسب ہو جاتے ہیں جبکہ اس عارف کے اعمال نیت کی احتیاج کے بغیر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوتے ہیں۔ تو دوسروں کے اعمال جو اس کے متعلق واقع ہوں وہ بطریقِ اولیٰ اس بارگاہ کی طرف منسوب ہوں گے اور اس قیاس پر اس کی تعظیم و اطاعت اس کے مولیٰ جل وعلا کی تعظیم و اطاعت ہوگی۔

تیسری تمہید

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد حصولِ نسبت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد یہی قوتِ روحانی بفیضِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی تھی مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم تھی اس کا صحابۂ کرام رضوان

اللہ علیہم اجمعین نے خود اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۷ میں بروایتِ ترمذی نقل کیا ہے کہ جس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ منوّرہ علیٰ منوِّرِہا الف الف صلوٰۃ والسلام میں تشریف لائے تو مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی تھی اور جس دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد قبرِ اطہر پر مٹی ڈال کر ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب کی نورانیت میں فرق پایا، یعنی ہمارے قلوب میں وہ صفائی اور نورانیت نہیں رہی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مشاہدہ کے وقت محسوس ہوتی تھی۔ (شریعت وطریقت)

اس کے بعد تابعین میں اس قوّتِ روحانی اور تاثیرِ صحبت میں اور کمی آئی، اس کے بعد تبع تابعین میں یہ قوّت بہت ہی کم ہوگئی، چنانچہ حضور پرنُور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اور نورانیت سے بعد ہوتا گیا' ظلمات کا اثر قلوب میں آتا رہا، حتیٰ کہ صحبتوں کے کمزور ہو جانے اور قلوب میں ظلمات کے بڑھ جانے سے توجہ الی اللہ اور نسبتِ احسانی کا فقدان محسوس ہونے لگا، حالانکہ صوم وصلوٰۃ اور دعوت وتبلیغ وغیرہ سب اعمال ہو رہے تھے، اس لئے اُس وقت کے خواص بزرگ اور مشائخ اس کمی کو پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے اوّل قرآن وحدیث کی روشنی میں پھر الہام اور نورِ فراست اور تجربات سے کچھ تدابیر اختیار کیں یعنی قلوب کی صفائی کے لئے کچھ مجاہدات مقرر کئے اور اذکار میں کچھ قیود اور شرائط لگا دیں تاکہ زیادہ اثر ہو، جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن وحدیث کے سمجھنے کے لئے قواعدِ صرف ونحو جاننے کی ضرورت نہ تھی لیکن اہلِ عجم اور آجکل کے عرب حضرات کو بھی قرآن کے فہم کے لئے صرف ونحو سیکھنے کی ضرورت پڑ گئی۔

علماء نے اس کی عام فہم مثال لکھی ہے کہ اگر کسی کتاب کا پڑھنا مطلوب ہو تو جب تک آفتاب نکلا ہوا ہے آدمی بلا تکلف کتاب پڑھ سکتا ہے اور جب آفتاب غروب ہو جائے تو پڑھنے کے لئے چراغ وغیرہ روشن کرنا پڑے گا اور جب نظر بھی کمزور ہو جائے تو عینک بھی لگانا پڑے گی۔

اِسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے وقت آفتابِ رسالت طلوع کئے ہوئے تھا تو نسبتِ احسان یا حضور مع اللہ حاصل کرنے کے لئے کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں تھی لیکن جب وہ آفتابِ عالمتاب غروب ہوا تو غروب کے بعد بھی کچھ روشنی کچھ دیر کے لئے باقی رہی، پھر جب وہ بھی نہ رہی تو حصولِ مطلب کے لئے دوسری تدابیر اختیار کرنا پڑیں۔

مأمور بہ کے حصول کے لئے نئی نئی تدابیر اختیار کرنے کے ضروری ہونے میں ایک مثال جہاد کی ہے کہ طبقۂ اولیٰ میں اس کے لئے تیر، نیزہ اور تلوار بلکہ پتھر بھی کافی تھا مگر اب ان پر اکتفاء کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے بلکہ بندوق ،توپ، ٹینک اور ایٹمی آلات تک کی تیاری ضروری ہوگی جو سب بعد کی ایجاد ہیں ،صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ان چیزوں کا نام ونشان بھی نہ تھا، جہاد کے لئے ان آلات کو استعمال کرنے پر یہ سوال کہ یہ قرآن وحدیث سے کہاں ثابت ہے اور یہ کہنا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس طریقے سے جہاد نہیں کرتے تھے' حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ جو لوگ مامور بہ کے حصول کے لئے کسی جائز تدبیر کو صرف اس لئے بدعت کہہ دیتے ہیں کہ اس کا رواج صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں نہیں تھا' وہ بدعت کی تعریف سے واقف نہیں ہیں، بدعت اِحداث فی الدین کا نام ہے' اِحداث لِلدّین کا نام نہیں، جو لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے وہ دین سے ناواقف ہیں کہ احداث لِلدّین بسا اوقات ضروری بلکہ واجب تک ہو جاتا ہے، جیسا کہ جہاد میں آجکل جدید آلات کا استعمال ضروری ہو گیا ہے، اسی طرح شریعت میں نسبتِ احسان کا حصول جس قدر مہتم بالشان ہے اس کے لئے جو بھی جائز تدبیر اختیار کی جائے وہ موجبِ ثواب اور ضروری ہے نہ کہ بدعت۔ (ماخوذ از شریعت وطریقت)

اس تفصیل کے بعد اس بات کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ صوفیاء کی اختیار کردہ تدابیر کا ثبوت قرآن وحدیث میں بھی ہونا ضروری ہے، لیکن اللہ تعالیٰ مشائخِ عظام اور اطباءِ روحانی کو اپنی شایانِ شان جزاءِ خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اکثر وہی تدابیر اختیار کی ہیں کہ جن کی اصل

اوراُن کاماٴ خذقرآن وحدیث سے ثابت ہے ۔صوفیاء کے مجاہدات ریاضات اوراذکارواشغال کاقرآن وحدیث سے ماٴ خوذ ہوناحکیم الامت حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کی تصنیف ''التکشف فی مہمات التصوف'' اورحضرت شیخ قُدّس سرہٗ کی تصنیف ''شریعت وطریقت کا تلازم'' میں ملاحظہ کریں ،حضرت مولاناعبدالحئی صاحب رحمہ اللہ کاایک رسالہ ''سباحۃ الفکر'' جس میں تقریباً پچاس حدیثیں ایسی ذکرفرمائی ہیں جن میں ذکرِ جہری کاثبوت ہے ۔ہم اس رسالے میں سلوک کے دوبنیادی اصول ''صحبت اورذکر'' کےصرف طریقے اوراُن کے اثرات بیان کرتے ہیں:

نسبتِ احسان اورتوجہ الی اللہ پیدا کرنے میں کثرتِ ذکراللہ کوجودخل ہےاس کے عقلی دلائل اورتجربہ کوبیان کرنے سے پہلےخودحضورصلی اللہ علیہ وسلم کاایک ارشادنقل کیا جاتا ہے:

''حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں گھر سے نکلاتوحضرت ابوبکررضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی ،انہوں نے پوچھا کہ حنظلہ کیا حال ہے؟میں نے عرض کیا کہ حنظلہ تومنافق ہوگیا، کہنے لگے سبحان اللہ کیا کہہ رہے ہو!میں نے کہا کہ جب حضورصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں ہوتے ہیں اورحضورصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوزخ وجنت کاذکرکرتے ہیں تووہ دونوں چیزیں گویاہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں،لیکن جب حضورصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس سے نکلتے ہیں اوربیوی بچوں،کاروبار میں گھل مل جاتے ہیں توبہت سی باتیں بھول جاتے ہیں،حضرت ابوبکررضی اللہ عنہ نے سن کرفرمایا کہ خدا کی قسم یہ حالت تومیری بھی ہے۔تومیں اورحضرت ابوبکررضی اللہ عنہ دونوں حضوراقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حاضرہوئے اورعرض کیایارسول اللہ!حنظلہ تومنافق ہوگیاتوحضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا کہا؟!تومیں نے اوپروالی ساری بات دہرائی توحضورصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشادفرمایا کہ قسم ہےاُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگرتم ہروقت اُس حال پررہوجس حال میں میرے پاس ہوتے ہواوراللہ تعالیٰ کے ذکرمیں مشغول رہوتوملائکہ تم سے تمہارے بستروں پراورتمہارے راستوں میں مصافحہ کیا کریں ،لیکن اے حنظلہ !گاہے گاہے تین دفعہ فرمایا'' ۔یعنی آدمی

ہمیشہ ایک ہی حالت پر نہیں رہتا، حضوری کی کیفیت کبھی کبھی حاصل ہوتی ہے۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ العزیز تحریر فرماتے ہیں کہ یہی حال مشائخ کا ہے کہ اُن کی موجودگی میں جو کیفیات وحالات اُن کے مریدین ومتوسلین کے ہوتے ہیں وہ غیبت میں نہیں رہا کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاک ارشاد میں لفظِ ذکر سے اور تعمیم ہوگئی کہ مجالسِ ذکر اور ذکر کی کثرت میں بھی حضور یعنی مرتبہٗ احسان حاصل رہتا ہے اور ذکر کی کثرت شیخ کی مجلس میں حاضری کا بھی بدل ہے۔۱۲

چنانچہ سلوک کے تمام مشائخ کے یہاں یہی دو چیزیں صحبتِ شیخ اور کثرتِ ذکر اصل میں تغیرِ زمانہ سے قلوب میں جب ان چیزوں کے مؤثر ہونے میں کمی آگئی تو مشائخ نے ان دونوں چیزوں میں اپنے تجربات اور فراست سے کچھ جائز شروط وقیود بڑھادیں، مثلاً صحبتِ شیخ میں اخذِ فیض کا حریص ہوکر بیٹھنا، اپنے دل کو تمام خطرات سے خالی رکھ کر شیخ کے قلب سے اپنے قلب میں فیض آنے کا خیال کرتے ہوئے اپنے قلب کی طرف متوجہ رہنا، مجلس میں ادب کے ساتھ بیٹھنا اور شیخ سے غیبت کی حالت میں بھی اس طرح فیضیاب ہوتے رہنا وغیرہ اور ذکر اللہ میں بھی کچھ قیود لگادیں کہ اذکار کی کچھ خاص مقداریں مقرر کی، وساوس وخطرات کو کم کرنے، خیالات میں یکسوئی پیدا کرنے کے لئے جمعیت وتسکین حاصل کرنے اور روح میں نرمی ولطافت پیدا کرنے کے لئے جہر، ضرب، حرکت وہیئت کے طریقے مقرر فرمائے، اسی طرح تنہائی وخاموشی کی لذت اور لوگوں کے اختلاط وہمکلامی سے نفرت پیدا کرنے کے لئے ذکرِ خفی اور اس کی شرائط تجویز کیں، یہ سب کچھ عوارضات کے پیش آنے پر بطور علاج کے کرنا پڑا۔

چونکہ ذکر کے ان طریقوں کے مقرر کرنے کے اندر مشائخ کے اجتہاد اور تجربات کو دخل ہے اس میں مختلف طبائع اور مختلف زمانوں کی مخصوص ضرورتوں کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا اس لئے کئی طریقے رائج ہوگئے۔

حضرت شیخ دامت برکاتہم کا ارشاد ہے کہ صوفیاء کے یہاں جملہ طُرُق میں کلمہ شریف

کاذکرضرورکرایاجاتاہے،ہیئت اورطریقہ ہرشیخ طریقت کے ہاں مختلف ہوتا ہے،جیسااطباء کے یہاں دواؤں کی ترا کیب میں اختلاف ہوتارہتاہے، مجھےاطباء کے یہاں ایک عجیب چیز دیکھنے کی بڑی نوبت آئی کہ ایک نسخہ کسی بیمار نے کسی طبیب سے لکھوایااورکوئی فائدہ نہ ہوا،وہ دوسرے طبیب کے پاس گیا،اُس نے اُس نسخہ کو باقی رکھاصرف اوزان اور ترتیب میں ذراسافرق کردیا،بڑی حیرت ہے کہ دوائیں بدستورصرف ہیئت کےفرق سے نسخہ کے اثر میں فرق پڑگیا۔۱۲

اذکارمیں انہیں قیود کے متعلق حضرت گنگوہی قدس سرّہٗ تحریرفرماتے ہیں:اُس زمانے میں (صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں) یہ اشغال بایں قیداگرچہ جائز تھے مگران (قیود) کی حاجت نہ تھی ،بعد چندطبقات کے جورنگ نسبت کادوسری طرح بدلااورطبائع اس اہلِ طبقہ کی بسبب بُعدِ زمان خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پرآگئیں تو یہ اوراداس زمانے کے اگرچہ تحصیلِ مقصدکرسکتے تھے مگربدِقّت ودشواری ،لہٰذااطبیاںِ باطن نے کچھ اس میں قیود بڑھادیں اورکمی زیادتی اذکارکی کی ، بعداس کے دوسرے طبقہ نے اِس طرح دوسرارنگ بدلاتووہاں بھی دوبارہ تجدیدکی حاجت ہوئی۔ثـمّ وثـمّ جیساکہ طبیب موسمِ سرمامیں ایک علاج کرتاہے کہ وہ علاج موسمِ گرمامیں مفیدنہیں ہوتابلکہ حصولِ صحت کوبعض اوقات مضرہوجاتاہےاورباعتبارزمانہ کے اختلاف تدبیرِ علاجِ اوّل دوسرے وقت میں بدل جاتی ہے ۔ جومعالجات کہ سوبرس پہلے ہمارے ملک کے تھےاورجوکچھ کہ کتبِ سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگزوہ کافی نہیں،اُن کابدل ڈالناکتبِ طب کے اصل قواعدکے موافق ہےاگرچہ علاجِ جزوی کے مخالف ہوپس اس کوفی الحقیقت ایجادنہ کہاجائے گابلکہ تعمیل اصل اصول کی قراردی جائے گی ۔۱۲جیساکہ جہادمیں آلات کی تبدیلی کاضروری ہونااوپرگذرچکا۔

الحاصل حصولِ نسبت کے لئے اذکارواشغال کے مختلف طریقوں اورمجاہدہ وذکرکے درمیان تقدُّم وتاَخُّرکرنے میں مشائخ کے بہت سے سلسلےاورخانوادے ہوگئے جن میں چارکوزیادہ شُہرت ہوئی چشتیہ،نقشبندیہ،قادریہاورسہروردیہ،دراصل یہ سب ایک ہی چیز ہے،سب کامقصدنبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے پاک ارشاد ﴿ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ...... الحدیث﴾ کا حاصل کرنا ہے، باقی اِن اکابر اطباء مرضاء قلوب کے یہ سارے مختلف معمولات درجۂ احسان (یا حصولِ نسبت) کے واسطے بطور تدبیر وعلاج کے ہیں۔

لہٰذا جب یہ طریقے بطور تدبیر علاج کے درجہ میں ہیں اور حصولِ مقصد میں کامیاب ہیں اور کوئی اِن کو عبادتِ مقصودہ نہیں کہتا تو ان کو اختیار کرنے کے لئے تجربہ کے سوا کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔

صحبتِ اولیاء اور اذکار بطریقِ صوفیاء سے کامیاب ہونے والوں کی شہادت

تقریباً ہزار سال سے زیادہ مدت سے امتِ محمدیہ کے صالح ترین طبقہ نے جن کا کسی غلط یا غیر واقعی بات پر اتفاق کرلینا عقلاً ونقلاً محال ہے اس پر اتفاق کیا ہے کہ نورِ یقین ونسبتِ احسانی حاصل کرنے کے لئے صوفیاءِ کرام کا یہ طریقہ یعنی اذکار میں کچھ قیود وشرائط بڑھا کر اُن کی تاثیر کو بڑھانے کا طریقہ اصولاً صحیح اور نتیجۃً کامیاب ہے، کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ مشاہیر اولیائے امت مثلاً خواجہ معروف کرخیؒ، بشرِ حافیؒ، سری سقطیؒ، شقیق بلخیؒ، بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، ابوبکر شبلی، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ احمد رفاعیؒ، شیخ ابوالحسن شاذلیؒ، خواجہ عثمان ہارونیؒ خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ اور پھر ہمارے اس دوسرے ہزارے کی گذشتہ تین صدیوں میں خواجہ باقی باللہؒ، امامِ ربانی مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور اُن کے خلفاء اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ، سیّد احمد شہیدؒ پھر تیرہویں چودھویں صدی کے اکابر حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت محدثِ جلیل خلیل احمد سہارنپوریؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور ان سب حضرات کے خلفاء جن میں حضرت شیخ الاسلام سیّد حسین احمد مدنی،

حضرت اقدس رائپوری حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رحمہم اللہ اور موجودہ وقت کے قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ۔ گذشتہ ہزار سال کی مدت میں ان حضرات جیسے سینکڑوں افراد ہیں جو اپنے اپنے وقت میں اس نسبت کے حامل بلکہ اس راہ کے امام اور داعی ہوئے ہیں اور ان میں سے ایک ایک کی صحبت و تربیت سے اللہ تعالیٰ کے ہزاروں لاکھوں بندوں کو یہ دولت حاصل ہوئی ہے، جو شخص ان سلسلوں سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان بزرگوں کو جو کچھ حاصل ہوا اِسی راہ سے حاصل ہوا تھا اور اُنہوں نے اِسی طریقے پر دعوت تبلیغ کا کام بھی کیا، اُنہیں کی کوششوں سے ہم تک دین پہنچا اور ہدایت ملی، پس جس طریقے نے اُمّتِ محمدیہ میں اتنے کاملین اور اس قدر اصحابِ احسان و یقین پیدا کیے ہوں اُس کے صحیح اور کامیاب اور مقبول ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور اُمت کے خواص کی اتنی بڑی جماعت کا کسی خلافِ شرع امر پر اجماع کر لینا عقلاً محال ہے، اس بات کی تائید حدیثِ پاک ﴿ لا تجتمع اُمّتی علی الضلالۃ ﴾ سے بھی ہوتی ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی، اور اس جماعت کے کسی فرد کی نیت پر بھی حملہ نہیں کر سکتے۔ قلم زبان کی اور زبان قلم کی شاہد ہیں کہ ہم کو ان مشائخ کی صحبت سے کہ جن کا سلسلۂ صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے' باطن میں فقہ اور عقائد کے علاوہ ایک خاص حالت پید ہوئی اور یہ فقہ اور عقائد تو اُن کی صحبت سے پہلے بھی دل میں جلوہ گر تھے اور اس خاص حالت سے (یعنی حصولِ نسبت سے) خدا اور اُس کے دوستوں سے موانست، اعمالِ صالحہ اور توفیقِ حسنات اور اعتقاداتِ حقہ میں ' . بوجی پیدا ہوگئی اور یہ حالت ایک کمال ہے جو دیگر تمام کمالات کا سبب ہے۔

سینکڑوں مشائخ ایسے گذرے ہیں جو بیک وقت ائمۂ تصوّف و سلوک بھی تھے اور ائمۂ حدیث و فقہ و تفسیر بھی تھے۔ اُن میں سے بعض مجدِّد بھی تھے، مصلحین بھی تھے اور مجاہد بھی تھے اور ساتھ ہی ساتھ مشائخ تصوّف بھی تھے، محدِّثین میں حضرت حسن بصری، فضیل بن عیاض، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک وغیرہ۔ مفسّرین میں امام المفسّرین ابن جریر طبری، ابن کثیر، صاحب روح المعانی علامہ آلوسی

اور صاحبِ جلالین (علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ جلال الدین محلی) وغیرہ (رحمہم اللہ) اور آج تک ساری اُمّت اُن کی علُوِّ مرتبت، زہد وتقویٰ اور اُن کے علمی و اصلاحی کارناموں کی معترف چلی آ رہی ہے، نیز انہی حضرات کے ذریعے ہم تک دین کے اکثر علوم پہنچے ہیں۔

دیکھیے صحیح بخاری و مسلم و دیگر کتبِ صحاح وحدیث میں کتنے ایسے رُواۃ ہیں جو ائمۂ تصوّف وسلوک بھی تھے، اسی طرح ائمۂ تفسیر جن کی کتبِ تفسیر سے آج تک اکابر علماء مستفید ہوتے چلے آ رہے ہیں' اُن میں اکثر ائمۂ تصوّف وسلوک بھی تھے، اور اسی طرح بقیہ علوم کا بھی یہی حال ہے، ان سب اکابر کا اس امر پر مجتمع ہو جانا دلیل ہے تصوّف وسلوک کی عدمِ بدعیت کی اور یہ سوچنا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ سارے اکابر نعوذ باللہ ایک باطل امر پر متفق ہو گئے ہوں خود قولِ بدعی ہے اور اس سوچ کا باطل ہونا بدیہی اور اس کا فساد ظاہر وبیّن ہے۔

اور اگر ایسا (خدانخواستہ) فرض بھی کر لیا جائے تو پھر اُن احادیث کا کیا حکم ہوگا جن کے ایسے حضرات راوی ہیں اور شاید ہی کوئی سند اُن حضرات سے خالی ہو اور اسی طرح بقیہ علوم کا کیا حکم ہوگا؟ یا اللہ ہمیں حق کو سمجھ کر اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل سمجھ کر ٹھکرانے کی توفیق عطا فرما اور ہمیں سیدھے راستے پر چلا اُن لوگوں کا راستہ جن پر تیری نعمتیں اُتریں.........الخ

اولیاء کی صحبت کا حکم

اولیاء کی صحبت اختیار کرنے حکم خود حق تعالیٰ نے دیا ہے، ارشاد ہے کہ ﴿یٰـاَیُّھَـا الَّـذِیْـنَ اٰمَـنُـوا اتَّـقُـوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝﴾ یعنی ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ'' حتیٰ کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے مخلصین اور یاد کرنے والوں کے ساتھ جم کر بیٹھنے کا حکم فرمایا (تا کہ حضور پُرنُور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت سے اُن کو کمالات و ترقّیات نصیب ہوں)

فهرست مضامین

صحبت کے مؤثّر ہونے کی دوسری دلیل

صحبت کے اثر کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ ﴿المرء علیٰ دین خلیلہٖ فلینظر احدکم مع من یخالل﴾ یعنی آدمی وہ دین اور راستہ اختیار کرتا ہے جو اُس کے دوست کا ہوتا ہے پس دیکھو کہ کس کے ساتھ دوستی اور صحبت رکھتا ہے (مشکوٰۃ از ترمذی)

صحبت کے مؤثّر ہونے کی تیسری دلیل

اور بخاری شریف کی ایک حدیث کا اس طرح مضمون ہے کہ صالح ہمنشین کی مثال عطر فروش کی سی ہے کہ عطر نہ بھی دے گا تب بھی اُس کی خوشبو سے بہرہ یابی ضرور ہوگی اور بد ہم نشین ایسا ہے جیسے لوہار کہ اگر بدن اور کپڑے کو آگ نہ جلائے گی تب بھی دھوئیں کی بدبو دماغ کو ضرور پریشان کردے گی۔

صحبت کے مؤثّر ہونے کی چوتھی دلیل

بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ ﴿کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھوّدانہٖ اوینصرانہٖ اویمجّسانہٖ﴾ یعنی ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے مگر اُس کے ماں باپ اُس کو یہودی کرلیتے ہیں یا عیسائی کرلیتے ہیں یا مجوسی کرلیتے ہیں۔

دیکھیں اِس میں صحبت کی کتنی زبردست تاثیر بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ انسان کی فطری استعداد تک کو بدل کررکھ دیتی ہے، یہ تو عام صحبت کا حال ہے، پھر مشائخ کی صحبتوں کا کیا پوچھنا، جبکہ وہ اثر لینے اور اثر دینے یعنی توجّہ اور ہمّت والی شرائط اور آداب کے ساتھ ہوں۔

جن اعلیٰ درجہ کی ایمانی واحسانی اور خُلقی کیفیات کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ساری اُمّت پر فضیلت ہے، وہ صحبتِ نبوی ہی کی تو تاثیر تھی، صحابی کے معنیٰ ہی صحبت یافتۂ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہیں، انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت سے انوارِ نبوّت کو اپنے سینوں میں

حاصل کیا، کیونکہ علمِ نبوّت کے نقوش تو اب بھی کتابوں سے لیے جاسکتے ہیں لیکن انوارِ نبوّت کا محل کاغذ نہیں بن سکتا، نور کا محل تو مؤمن کا قلب ہی ہوسکتا ہے، اللہ پاک کے ارشاد ﴿مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھامصباح......الآیۃ﴾ میں اسی کی طرف اشارہ ہے، شوق ہو تو اس کی تفسیر دیکھ لو۔

صوفیاء کے طریقوں کا تسلسل

علوم نبوّت تو کتابوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں اور انوارِ نبوّت سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں، اس لئے ہمیشہ سے حاملانِ علوم نبوّت نے انوارِ نبوّت حاصل کرنے کے لئے اولیاء اللہ کی صحبت اختیار فرمائی، اسی وجہ سے یہ نسبتِ باطنی نسبتِ مسلسلہ کہلاتی ہے۔

چنانچہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا تھا وہ میں نے ابوبکرؓ کے سینے میں ڈال دیا، پس حضرات صحابہ کے قلوب اس نور سے روشن ہوگئے اور اُن کے وجود کا چراغ دان منوّر ہوگیا، پھر اُنہی حضرات کے معارف کی روشنیاں تابعین کے قلوب پر منعکس ہوئیں اور اس طرح آئندہ سلسلہ چلتا رہا۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ "القول الجمیل "میں تحریر فرماتے ہیں ''صحبتنا وتعلّمنا الأداب الطریقۃ والسلوک متصلۃ الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالسند الصحیح المستفیض المتصل '' یعنی ہماری صحبت اور طریقت اور سلوک کے آداب کو سیکھنا متصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک صحیح سند سے اور متصل ہے تا صاحبِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم۔

صوفیاء رحمہم اللہ کے یہاں ثابت ہے کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو وہ راستہ دکھائیے جو بندگانِ خدا پر سب سے زیادہ قریب اور سہل تر ہو اور حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلوت میں ذکر پر مداومت کو لازم پکڑلو۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے عرض کیا کہ ذکر کس طرح کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی آنکھیں

بند کرلو اور مجھ سے سنو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سن رہے تھے، پھر (حضرت) علی کرّم اللہ وجہہٗ نے تین مرتبہ کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتے رہے، بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصریؒ کو حضرت حسن بصریؒ نے عبدالواحد بن زیدؒ کو اور حبیب عجمیؒ کو تلقین کیا اور اسی طرح سلسلۂ تلقین جاری رہا، یہاں تک کہ متعدد سلسلے اور مختلف طریقے اور متفرق شعبے پیدا ہو گئے۔ (امداد السلوک)

چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت شدادؓ فرماتے ہیں اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اس واقعے کی تصدیق کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کوئی اجنبی (غیر مسلم) تو مجمع میں نہیں؟ ہم نے عرض کیا کوئی نہیں، ارشاد فرمایا کواڑ بند کر دو، اس کے بعد ارشاد فرمایا ہاتھ اُٹھاؤ اور کہو لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ، ہم نے تھوڑی دیر ہاتھ اُٹھائے رکھے اور کلمہ طیبہ پڑھا، پھر فرمایا الحمدللّٰہ اے اللہ تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا ہے اور اس کلمہ پر جنت کا وعدہ کیا ہے اور تو وعدہ خلاف نہیں ہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ارشاد فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اللہ نے تمہاری مغفرت فرمادی۔

صوفیاء نے اس حدیث سے مشائخ کا اپنے مریدوں کی جماعت کو ذکر تلقین کرنے پر استدلال کیا ہے چنانچہ "جامع الاصول" میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جماعۃً اور منفرداً ذکر تلقین کرنا ثابت ہے، جماعت کو تلقین کرنے میں اس حدیث کو پیش کیا ہے۔

سلاسلِ اربعہ کے مشائخ کی تلقینِ ذکر و اجازتِ بیعت کا سلسلہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مسلسل و متصل چلا آرہا ہے چنانچہ ان سلاسل کے شجرات مشہور و معروف ہیں جو مریدوں کو داخلِ سلسلہ ہونے پر دیئے جاتے ہیں تاکہ اپنے بزرگوں سے ربط و تعلّق کا دھیان رہے جو باعثِ برکت اور سلسلہ کے فیوض حاصل ہونے میں معین ہے۔

صحبتوں کا فرق

صحابۂ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ حصولِ فیض کیا یعنی اُن کے دل مشکوٰۃِ نبوّت سے کاسبِ نور تھے، پھر تابعین نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت سے انوار حاصل کئے، یہاں تک کہ اولیاء کو یہ نعمت جو حاصل ہوئی تو صرف اپنے مرشدوں کی صحبت میں بیٹھنے سے اور اُن کی خدمت کرنے سے ہوئی لیکن اُس صحبت اور اِس صحبت میں بڑا فرق ہے، جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بھی بیان ہوا کہ روحانیت اور تاثیر کم ہوتی گئی، اِس فرق کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور غیر صحابہ کی فضیلت میں فرق ہے اور صحبتوں کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے مشائخ کو احسانی کیفیت پیدا کرنے کے لئے صحبت کے ساتھ اذکار و اشغال کا اضافہ کرنا پڑا۔

حصولِ نسبت میں ذکر اللہ اور اشغال کی فضیلت وتاثیر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ولذکر اللہ اکبر ﴾ یعنی اللہ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے۔ علماء اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہی وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی رُوح کہہ سکتے ہیں، یہ نہ ہو تو عبادات کیا ایک جسدِ بے رُوح ہے اور لفظِ بے معنیٰ، یعنی چونکہ ذکر ہی سے اخلاص پیدا ہوتا ہے اور اخلاص کے بغیر اعمال مردہ ہوتے ہیں اور علوم بلا معنیٰ رہ جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں ہے کہ ﴿مامن عمل انجیٰ من عذاب اللہ من ذکر اللہ ﴾ یعنی کوئی چیز خدا کے عذاب سے اس

قدر بچانے والی نہیں جس قدر خدا کا ذکر بچاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے غصّے اور اُس کے عذاب سے بچنے کی بہترین صورت اللہ کا ذکر ہے، ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنی مجلس میں ذکر اللہ کی فضیلت بیان فرمارہے تھے کہ قلوب کی اصلاح کرنا چاہیئے اور یہ ذکر اللہ ہی سے ہوسکتی ہے، ایک صاحب نے اس مجلس میں دریافت کیا یارسول اللہ! اللہ کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ افضل ہے؟ ایک شخص اللہ کی راہ میں سرکٹواتا ہے وہ افضل ہے یا خدا کا ذکر کرنے والا؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں نکلا اور سر سے پیر تک لہولہان اور قتل ہوگیا، وہ شخص بھی اس قدر خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے والا نہیں جس قدر خدا کا ذکر کرنے والا، کیونکہ اگر جہاد کرنے والا ذکر اللہ نہیں کرتا تو وہ مقبول نہیں کہ جہاد میں بھی خدا کے ذکر کا حکم ہے: ﴿یٰـاَیُّهـا الّـذیـن اٰمـنـوا اذا لـقـیـتـم فـئـۃً فـاثـبـتـوا واذکروا اللّٰه کثیرًا لعلّکم تفلحون ۝﴾ یعنی ’’جب تمہاری مڈبھیڑ دشمن سے ہوتو جم جاؤ اور خدا کا ذکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ‘‘۔ بس خدا کی یاد جہاد کی بھی لڑی ہے ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم کیا گیا تھا۔’’نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو‘‘ یعنی بڑا مقصود اللہ کا ذکر ہے، انتھیٰ کلامہ ۔

خود نماز بھی ذکر کی کیفیت کے بغیر پڑھی جائے تو وہ صلوٰۃِ منافق کے مشابہ ٹھہرے گی، جس کی نسبت حدیثِ پاک میں فرمایا گیا ﴿لایذکـر الـلّٰـه فیهـا الّا قلیلًا ﴾ اور ایسی نماز کی نسبت ﴿لم یـزدبهـا مـن الـلّٰه الا بعدًا﴾ کی وعید آئی ہے یعنی ایسی نماز اللہ سے بُعد کا باعث ہوتی ہے، اور دوسری روایت میں پرانے کپڑے کی طرح منہ پر ماردیا جانا، نماز کا مُصلّی کے لئے بد دعاء کرنا بھی آیا ہے ۔

حضرت اقدس شیخ قدس سرّہٗ العزیز اپنے رسالہ ’’شریعت وطریقت‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اشغال میں سب سے بڑا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور جملہ اذکار میں سب سے اہم کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہے اِسی لئے صوفیاء کے یہاں جملہ طُرُق میں اس کلمہ شریف کا کثرت سے ذکر ضرور کیا جاتا ہے ۔ ہیئت اور طریقہ (اور مقدار) ہر شیخِ طریقت کے یہاں مختلف ہوتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ

وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ ''ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے وِرد تعلیم فرمادیجئے جس سے آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں، ارشادِ خُداوندی ہوا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا کرو۔ اُنہوں نے عرض کیا اے پروردگار! یہ تو ساری ہی دنیا کہتی ہے، ارشاد ہوا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا کرو، عرض کیا کہ میرے رب! میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز مانگتا ہوں جو کہ مجھ ہی کو عطا ہو، ارشاد ہوا کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسری طرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو رکھ دیا جائے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا پلڑا جھک جائے گا''۔

ذکر اللہ سے تزکیہ واصلاح کی دوسری دلیل

رسالہ ''فضائلِ ذکر'' میں کئی حدیثیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی فضیلت کی اور اہمیّت کی ذکر کی گئی ہیں، منجملہ اُن کے یہ بھی ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے۔

ملاّ علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ذرّہ بھی شک نہیں کہ تمام ذکروں میں افضل اور سب سے بڑھا ہوا ذکر کلمۂ طیبہ ہے کہ یہی دین کی وہ بنیاد ہے جس پر سارے دین کی تعمیر ہے اور یہ وہ پاک کلمہ ہے کہ دین کی چکّی اس کے گرد گھومتی ہے۔ اسی وجہ سے صوفیاء وعارفین اس کلمہ کا اہتمام فرماتے ہیں اور سارے اذکار پر اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی جتنی ممکن ہو کثرت کراتے ہیں کہ تجربہ سے اس میں جس قدر فوائد اور منافع معلوم ہوئے ہیں کسی دوسرے میں نہیں۔

ذکر اللہ سے تزکیہ واصلاح کی تیسری دلیل

"ارشاد السلوک" میں ہے کہ حق تعالیٰ قلب کی اصلاح ذکر کے واسطے سے فرماتا ہے اس لئے کہ قلب کا مطلوب ومحبوب حق تعالیٰ اور اُس کی صفت کا ذکر ہے پس اپنے محبوب کے ذکر سے قلب غذا اور قوت پاتا اور مطہّر ومنوّر ومصفّٰی بن جاتا ہے اور جس قلب کو حق تعالیٰ محبوب بناتا اور اپنا تقرّب

بخشتا ہے اور نبوّت یا ولایت کے مرتبہ پر پہنچاتا ہے تو اوّل اُس قلب پر اپنا ذکر مسلّط فرماتا ہے تا کہ اُس ذکر کی روشنی و تصرُّف سے دل پاک اور نورانی بن جائے۔۱۲

ذکر اللہ سے تزکیہ کی چوتھی دلیل

حدیثِ پاک میں وارد ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تمام اذکار میں افضل ہے اور سہل تستریؒ نے فرمایا کہ جنت تو معاوضہ ہے تمام اعمال کا اور کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی بجز دیدارِ حق کے کوئی جزا نہیں ہو سکتی۔ یہی کلمہ ہے جس کو اگر کافر (صِدقِ دل سے) کہہ لے تو اُس کے کفر کی ظلمت دور ہو جائے اور اُس کے دل میں ایمان کا نور پیدا ہو جائے اور اگر مسلمان کہے تو گو دن میں ہزار بار کہے مگر ہر دفعہ اس کے کہنے سے کچھ نہ کچھ کثافت ضرور دور ہو گی اور اُس کا مرتبہ بلند کرے گا اور حق تعالیٰ کے مرتبۂ علم کی کوئی انتہاء نہیں، اس لئے اگر بے انتہاء بھی اس کلمہ کو پڑھے گا تو بے انتہاء مراتب پائے گا اور اس کی کثرت کرنے سے جب یہ رگ و پے میں رَچ جائے گا تو بیماری بیہوشی وغیرہ ہر حالت میں یاد رہے گا اور مرتے وقت بھی زبان پر جاری ہو جائے گا۔ حدیثِ پاک میں ہے ﴿من کان اٰخر کلامہٖ لاالٰہ الااللّٰہ دخل الجنّۃ﴾ یعنی وہ شخص ضرور جنّت میں داخل ہو گا جس کا آخری کلام لاالٰہ الااللّٰہ ہو گا۔

نیز حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہ لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہ کا اتنی کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ دیوانہ کہنے لگیں۔

ذکر اللہ سے تزکیہ کی پانچویں دلیل

نیز جاننا چاہیئے کہ شیطان اور اُس کے مکر کو مرید سے پھیرنے کے لئے ذکر سے بہتر کوئی تدبیر نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نماز روکتی ہے بے حیائی اور معصیت سے اور اللہ کا ذکر البتہ بہت بڑا ہے، یعنی کبر و غرور کو کھونے اور اوصافِ ذمیمہ کے دفع کرنے میں غایت مؤثر ہے (کہ ان اوصافِ

ذمیمہ کے ہوتے ہوئے سالک کو قبولیت نہیں ہوتی اگر اِن رذائل کے دور کرنے کے لئے مجاہداتِ شاقہ کی قوت نہیں رہی تو کثرتِ ذکر سے ذکر کے غلبہ میں یہ سب رذائل دب جائیں گے)

خصوصاً کلمۂ طیبہ کہ اس بارے میں اس کی تاثیر بہت زیادہ ہے اور اکثر مشائخ نے آیت کے یہ معنیٰ بیان کئے ہیں کہ اللہ کا تم کو یاد کرنا بڑا ہے تمہارے اللہ کو یاد کرنے سے (اور اللہ کا یاد کرنا بندے کے یاد کرنے پر مرتب ہوتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿فاذکرونی اذکرکم﴾)اور یہ معنیٰ بھی مناسب ہیں؛ کیونکہ حق تعالیٰ کا ہم کو یاد فرمانا بنظرِ رحمت وقبولیت اور عطاء وفضل ہمارے تمام اوصافِ ذمیمہ کو دفع کرتا ہے۔ پس تزکیہ اور تطہیر کے بارے میں ذکر اللہ بہر حال نماز سے اکبر اور بڑا زبردست مؤثر ہوا۔

ذکر اللہ سے اوصافِ حسنہ حاصل ہونے کی وجہ

صدق واخلاص سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی علامت قلب کی رقت اور خوف ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ”مؤمنین وہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں“ اور یہ اس وجہ سے کہ اُن کا ذکر عبودیت اور عبادت کا ذکر اور بیداری وجمعیت واُنس کا ذکر ہوتا ہے، نہ کہ عادت یا غفلت اور تفرقہ ووحشت کا ذکر۔ (ذکر کے یہ اوصاف صوفیاءِ کرام کی مقرر کردہ شرائط کے ساتھ ذکر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ اُس ذکر کرنے والے کو اپنی عنایت ومہربانی سے ملائکہ مقرّبین کی جماعت میں فخر کے ساتھ یاد فرماتا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اُس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو شخص مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے میں بھی اُس کو یاد کرتا ہوں اُس مجمع میں جو اُس کے مجمع سے بہتر ہے پس جس کو حق تعالیٰ نے یاد فرمایا اُس کو ذکرِ

قلب وسرّ اور مذکور میں استغراق اور ذاتِ بحت میں غائب ہوجانے کا مرتبہ نصیب ہوجاتا ہے اور اُس کا قلب عمدہ احوال سے اور اُس کا بدن اعمالِ صالحہ سے متصف بن جاتا ہے کیونکہ بدنی اعمالِ صالحہ کا حوالہ قلب کی اصلاح اور صفائی ہے، اور حدیثِ پاک میں ہے ﴿لکل شیء صقالۃ وصقالۃ القلوب ذکر اللّٰہ﴾ یعنی ہر شے کا ایک صیقل (چمکانے والا) ہوتا ہے اور قلوب کا صیقل اللہ کا ذکر ہے۔

سبحان اللہ! حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے بندوں پر کس قدر لطفِ خاص اور رحمِ اتم نازل فرمایا کہ ذکر کا حکم فرمایا اور اس کے واسطے سے تزکیہ وتصفیہ اور نورانیت وپاکی مقرر فرمائی۔

ذکراللہ سے تزکیہ وتصفیہ حاصل ہونے کی دوسری وجہ عشقِ الٰہی کا پیدا ہونا ہے

تزکیہ وتصفیہ اور نورِ یقین اس عشق کی وجہ سے بھی حاصل ہوتا ہے جو ذکراللہ کی برکت وتاثیر سے پیدا ہوجاتا ہے جب کہ ذکراللہ کی تاثیر کو بڑھانے والی شرائط کو ملحوظ رکھ کر صوفیاءِ کرام کے طریقے پر ذکر کیا جائے۔

ارواح وقلوب کے عشق کی قدامت

ہماری ارواح کو محبوبِ حقیقی اللہ جلّ شانہٗ نے اپنا عشق تو عالمِ ارواح ہی میں عطا فرما دیا تھا کہ اُس وقت اسبابِ عشق یعنی صفاتِ جمال، کمال اور احسان کا ہماری ارواح کو مشاہدہ کروا دیا تھا، یہ کرم نوازی اس طرح فرمائی تھی کہ ہماری ارواح سے براہِ راست کلام فرمایا تھا اور یہ سوال کیا تھا: ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ﴾؟

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، اس پر ہم سب نے جواب دیا تھا بیشک ہم سب گواہ بنتے ہیں، گواہی اور شہادت تو کچھ دیکھ کر ہی دی جاتی ہے، ہم نے وہ کیا دیکھا تھا؟ وہ اللہ پاک کے کلام الست بربکم میں اُس کی ربوبیّت کے انوار دیکھے تھے، اور یہ قاعدہ ہے کہ نور خود ظاہر ہوتا ہے اور اپنے غیر کو بھی ظاہر کر دیتا ہے چنانچہ اس کلام پاک کے ساتھ ربوبیت کے انوار ہماری ارواح پر پھیل گئے یعنی ارواح پر صفتِ ربوبیّت کی تجلّی ہوئی اور ارواح نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کا تفصیلی کمال مشاہدہ کیا، اس کے ساتھ اسی نور کی وجہ سے اپنی تفصیل احتیاج اور فقر کا بھی مشاہدہ ہوگیا، گویا ان دونوں مشاہدوں سے اللہ تعالیٰ کے صمد ہونے کا علم حاصل ہوگیا جو اللہ تعالیٰ سے عشق کا باعث ہے۔ چنانچہ ہماری ارواح محبّت سے مست ہوگئیں اور اُسی مستی میں اُس بارِ امانت کو اُٹھانے کے لئے تیار ہوگئیں جس کو اُٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑوں نے بھی معذرت کر دی تھی، آیت شریفہ ﴿انا عرضنا الأمانة علی السمٰوٰت والارض ....الآیة ﴾ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

پھر جب یہ ارواح مادّی جسم میں مقیّد اور محبوس ہوگئیں تو جسم کے عوارضات کی وجہ سے روح کے ادراک کے آئینہ یعنی قلب کو زنگ لگ گیا اور اُس میں اندھیرا ہوگیا، اس لئے محبوب اور اُس کی محبّت سے بندہ کو غفلت ہوگئی، حالانکہ واقعہ میں وہ محبوب اس کے ساتھ اور قریب موجود ہے، بس اذکار و اشغال کے ذریعے جب وہ زنگ دور ہو جاتا ہے تو قلب میں محبوب کی کچھ جھلک نظر آتی ہے تو وہی پرانی عشقی کیفیت پھر لوٹ آتی ہے ۔

دل ازل سے ہے کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ ابھر آئی ہے

اگرچہ گذشتہ اوراق میں ذکر کے ماثورہ اثرات بیان ہو چکے مگر آجکل ہماری حالت ایسی ہوگئی ہے کہ جب تک ہماری ناقص و محدود عقل میں کوئی چیز نہیں آجاتی تب تک اطمینان نہیں ہوتا۔ حدیث میں ذکر کے فضائل اور اثرات سُن کر اور معتبر تجربہ کاروں کی شہادت ملنے پر بھی زبانوں پر آجاتا ہے کہ

ذکر میں مشغولی سے کیا فائدہ؟ اِس سے کیسے اصلاح ہوجائے گی؟ ذاکرین محض نشہ کی طرح محویت اور لذّت کے لیے ذکر کرتے ہیں، ایمان کی مضبوطی اور یقین کی دولت تو صرف دعوت و جہاد ہی سے حاصل ہوسکتی ہے، حالانکہ ذکراللہ کے بغیر کسی قسم کا مجاہدہ اور عمل کوئی چیز نہیں بلکہ سارے اعمال کا دارومدار قلب کی اصلاح اور اس کا زنگ دُور ہونے پر ہے۔ جب کہ حدیثِ پاک میں۔ ﴿اذا صلحت صلح الجسد کلہٗ﴾ اور دوسری حدیث میں صقالۃ القلوب یعنی دلوں کو چمکانے والی چیز ذکراللہ کو فرمایا گیا ہے، ہم کو ایسے اندازِ فکر سے شرم آنی چاہیئے اور اپنے ایمان کی خیر منانا چاہیئے، کوئی بدقسمتی سے چاہے ذکر کی لائن کو اختیار نہ کرے مگر ذاکرین اور خانقاہوں کی تحقیر کرنا ایمان کے لئے بہت خطرناک ہے، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ سے محبت کی علامت اُس کے ذکر سے محبت ہے اور اللہ سے بُغض کی علامت اُس کے ذکر سے بُغض ہے۔ حضرت اقدس شیخؒ فرماتے ہیں کہ آج خانقاہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح اِلزام ہے، ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں، آج اُنہیں جتنا دل چاہے بُرا کہہ لیں، کل جب آنکھ کھلے گی اُس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کر لے گئے۔

فسوف تریٰ اذاانکشف الغبارُ   افرس تحت رجلک ام حمارٗ

یعنی عنقریب جب غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر۔

ان خانقاہوں کی اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا قدر ہے، جن پر آج چاروں طرف سے گالیاں پڑرہی ہیں، یہ اُن احادیث سے معلوم ہوتا ہے، جن میں اِن کی فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں، انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون ...... خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد   وگردَم دَرکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

اب دانشمندوں کے لئے ذکرِ شغل کے عمل کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

حصولِ عشق اور جذب میں ذکر کے سبب ہونے کی توضیح

پہلے بطورِ تمہید ایک مثال بیان کی جاتی ہے جس کے بعد ذکر کا عمل سمجھنا آسان ہوگا۔

فرض کرو ایک شخص جس کے دل میں قدیم سے کسی محبوب کا عشق ہو اور وہ محبوب اُس کے قریب ہی بیٹھا ہوا ہو لیکن اُس کو اپنے محبوب کے قریب ہونے کا احساس نہ ہو کہ اُس کی آنکھیں بیمار ہوں دیکھ سکتا ہو' کانوں میں میل بھرا ہو جس کی وجہ سے سنائی نہ دیتا ہو' زکام کا بھی مریض ہو جس کی وجہ سے بو کی خوشبو بھی نہ محسوس کرسکتا ہو' پھر اس پر نیند' غفلت اور نشہ بھی طاری ہو (نشہ خواہ دنیا کا ہو یا لفظی دین کا ہو یا نام نہاد پرہیزگاری کا ہو) تو اُس کو محبوب کا کچھ اِدراک نہ ہوگا، اِس لئے اُس کی طرف کچھ کشش بھی نہ ہوگی، اگرچہ دل میں محبوب کا ہلکا سا خیال اور علم بھی رکھتا ہو مگر اُس پر محبوب کے سامنے ہونے کی یقینی اور عشقی کیفیت نہ ہونے کے سبب وہ محبوب کے لئے کوئی کام پورے خلوص سے نہ کرسکے گا، بلکہ اُس کے ہر عمل میں کبھی جلی اور کبھی خفی طور پر نفس کی آمیزش ضرور شامل ہو جائے گی جس کا علم بھی اخلاص حاصل ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے؛ کیونکہ اُس کا نفس اور اُس کی ذات تو موجود حاضر ہے اور محبوب غائب ہے صرف محبوب کا نام زبان پر ہے اس لئے اُس کے واسطے کوئی کام بھی برائے نام ہی کرے گا۔ اب اگر کوئی معالج کچھ تدابیر کرکے اس کو غفلت سے بیدار کردے اس کے کانوں کو صاف کرے تو وہ غافل شخص اپنے محبوب کی کچھ آواز، کچھ مہک اور کچھ جھلک دیکھ لے گا تو اُس کے علم و اِدراک میں محبوب کا پرانا عشق اُبھر آئے گا، پھر اُس کی طبیعت اُس کے ساتھ وصال چاہے گی اور اُس کی طرف ہاتھ بڑھائے گی، اس وقت جو پردہ اور جو چیز اس وصال سے روکنے والی مزاحم ہوگی اس کے ساتھ اس کا ٹکراؤ ہوگا، جوش کے ساتھ مقابلہ ہوگا، ہاتھ پاؤں مارنا، چلانا، عاجزی کرنا، غم، جوش اور دیوانگی وغیرہ حالات پیش آئیں گے اور اس حالت کو عشق کہتے ہیں، پھر اگر اِس عشقی حالت کو بڑھانے والے دیگر مؤیدات شامل ہو جائیں تو یہ کیفیت بڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ ہر مزاحم کو شکست

دے کر اور ہر پردہ کو پھاڑ کر محبوب سے وصال کرتا ہے، اب اگر محبوب کی ذات وصفات غیر متناہی ہو تو اس کا اضطراب ختم نہیں ہوگا اور محبت ہمیشہ بڑھتی ہی جائے گی اور یہ محبوب کے اندر ترقی کرتا ہی جائے گا، لیکن کُچھ عرصہ کے بعد جب محبت میں خوب پختگی اور رُسوخ ہو جائے گا تو بظاہر سکون کی حالت ہو جائے گی ،جیسا کہ ہوائی جہاز میں صعود کے وقت تو حرکت اور شور ہوتا ہے، سواری کے لوٹ پوٹ ہونے اور چوٹ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے سواریوں کو تو پیٹیوں سے باندھ کر رکھتے ہیں اور راستے کے مشاق جہاز کے ملازم اُس وقت بھی کُھلے پھرتے ہیں، پھر بلندی پر جا کر جب تیزی سے سفر طے ہونا شروع ہو جاتا ہے اُس وقت رفتار تو بہت ہوتی ہے مگر بظاہر کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ اس طرح محبت میں رسوخ کے بعد وہ عاشق عام لوگوں کی طرح کمال عقلمندی کے ساتھ دین و دنیا کے سارے کام کرے گا مگر اُس کے پیشِ نظر محبوب کے علاوہ کُچھ باقی نہ رہے گا، تو اُس کی ہر حرکت و سکون کا اصل محرّک محبوب ہی کی رضا ہو گی، اب اُس کا سر میں تیل ڈال کر گہری نیند سونا بھی غفلت میں شمار نہیں ہوگا کیونکہ سونے سے مقصد یہ ہوگا کہ تازہ دم ہو کر محبوب کی خدمت کروں گا، جب غفلت اور خواہشات کے امور میں اُس کے خلوص کی یہ حالت ہے تو براہِ راست محبوب کی مُٹھی چاپی کرنے میں خلوص کا کیا حال ہوگا۔ اِس لئے عُشاق کے متعلق کہا گیا ہے کہ اُن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر، اب اس مثال کے بعد ذکر کے عمل کو بغور سمجھیں۔

ذکر کی کرشمہ سازی اور تصرّف

ذکر کے معنیٰ تو اللہ تعالیٰ کی یاد کے ہیں لیکن جن الفاظ سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے وہ الفاظ بھی ذکر اللہ کہلاتے ہیں جیسا کہ حدیثِ پاک میں لَاالٰـہ اِلَّاالـلّٰـہ کو افضل الذکر فرمایا گیا ہے، اس طرح اسمِ مبارک کے ذکر کا بھی حکم ہے ﴿وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ﴾ یعنی اپنے رب کے نام کو یاد کرو کہ یہ بھی قائم مقام اللہ کی یاد ہی کے ہو جاتا ہے کیونکہ اسمِ مبارک ذاتِ مقدّسہ سے الگ نہیں اس لئے اسم کی یاد سے کُچھ نہ کُچھ ضرور ذاتِ پاک کی یاد اور اُس کی طرف توجّہ ہو ہی جاتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے اور اگر اس توجّہ کرنے کا اہتمام بھی کیا جائے تو جلد کامیابی ہو جاتی ہے یہ معاملہ ہر اسم اور اُس کے مسمّیٰ میں ظاہر ہے لیکن محبوبِ

حقیقی کے اسم میں تو بہت برکت اور بہت اثر ہے۔

اگرچہ وہ مبارک اسم ذاتِ پاک کا عین نہیں مگر اُس سے جدا بھی نہیں (جیسا کہ اہلِ حق کا عقیدہ ہے) اس اسم میں ذاتِ مقدّسہ کی ایک جھلک یا ایک تجلّی ہے، یہی تجلّی ذاتِ مقدّسہ کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ بنتی ہے پھر اس توجہ الی اللہ میں ایک دوسری تجلّی ہے جس کو ذاتِ مقدّسہ سے بہت ہی قرب اور اتصال ہے اس لئے قلب کو جب یہ توجہ الی اللہ حاصل ہو جاتی ہے تو قلب اپنے محبوب کا ایک قسم کا تھوڑا سا ادراک کر لیتا ہے۔ مثال کے طور پر پہلے تو محبوب کے نام سے اس کی طرف توجہ ہوتی ہے کیونکہ نام سے محبوب کو ایک تعلق ہوتا ہے جو متوجہ ہونے اور دیکھنے کا باعث ہو جاتا ہے اِس دیکھنے کو محبوب سے ایک دوسرا تعلّق ہوتا ہے جو پہلے نام کے تعلّق کی نسبت بہت گہرا ہوتا ہے، اِس کے حاصل ہونے پر محبوب کا اِدراک ہو کر عشق پیدا ہو جاتا ہے یا پرانا عشق اُبھر آتا ہے۔

ذکر کا یہ اثر اور عمل ایک دفعہ نامِ مبارک لینے سے بھی کُچھ نہ کُچھ حاصل ہوتا ہے لیکن قلب کے زنگ اور امراضِ قلبی کی وجہ سے خفیف اثر محسوس نہیں ہوتا، اگر یہی ذکر کثیر تعداد میں اور اثر بڑھانے والی شرائط کے ساتھ کچھ عرصہ مسلسل کیا جائے تو وہ ذاکر کے حلق، زبان اور کان کو نور اور سکینہ سے مالا مال کر دیتا ہے یعنی حواس کو تندرستی اور بیداری حاصل ہو جاتی ہے اور توجہ الی اللہ حاصل ہو جاتی ہے پھر ہمیں توجہ سے ذاتِ مقدسہ کا کُچھ اِدراک اُس کی ایک مہک اور جھلک قلب کو محسوس ہونے لگتی ہے، جس کو اصطلاح میں تجلّیات کا وُرود کہتے ہیں، ایسا ہونے کی دلیل مشاہدہ اور تجربہ ہے پھر محبوب کی یہ تجلّی اور اُس کی طرف توجہ ذاکر کے خیال اور وہم کو گم گشتگی اور وارفتگی بخشتی ہے، پھر یہ توجہ الی المحبوب ذہن میں اس حیثیت سے استقرار پکڑ جاتی ہے کہ ذاکر معشوق کا نام بھول کر معشوق کے جلوہ میں یعنی اُس کی ذات کی یاد میں محو ہو جاتا ہے اور اس کے ماسویٰ کی طرف تہہ دل سے ذرہ بھر التفات نہیں کرتا۔

آ سکے غیر میرے خانۂ دل میں کیسے
کہ خیالِ رُخِ دلدار ہے دربان اپنا

پھر جب اِس توجہ میں استغراقِ قوی حاصل ہو جاتا ہے تو یہ توجہ ذاکر کی رُوح سے پیوست

ہوجاتی ہے اور یہ بات درجہ بدرجہ ذکر کے مراتب میں ترقّی ہونے سے حاصل ہوتی ہے اور مراتبِ ذکر میں ترقّی شرائط کے ساتھ ذکر کی پابندی، اِس راستے کے مؤیدات کا لحاظ اور موانع سے پرہیز اور مُرشد سے ربط اور اُس کی توجہات کی مدد سے حاصل ہوتی ہے، اِن مراتبِ ذکر اور ترقّی کا سببِ حقیقی حق تعالیٰ کا بندہ کو یاد فرمانا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

ذکر کے مذکورہ بالا تصرّف سے رُوح وقلب کو نُورو توجّہ اور بیداری اور قوت حاصل ہوجاتی ہے، رُوح کو اللہ تعالیٰ کا عشق تو عالمِ ارواح ہی سے حاصل تھا، صرف توجّہ نہیں رہی تھی جب وہ حاصل ہوگئی تو اس وقت روح اپنے محبوب اور اپنی اصل سے وصال کے لئے بے قرار ہوتی ہے لیکن بشریت کا غبار اور کثافت اس کو وصال سے مانع ہوتا ہے اس لئے ناچار اقتضائے روحانی اور اقتضائے نفسانی کے درمیان کشمکش اور مزاحمت پیدا ہوتی ہے، اِس سبب سے ذاکر میں شورش اور بے قراری، شدّت وحدّت، چہرے کی زردی، رونا اور اشکباری حاصل ہوتی ہے، بس اِس کیفیت کا نام عشق ہے، یہ کیفیت برابر بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ بشریت اور نا آشنائی کا حجاب پھٹ جاتا ہے اور نفسانیت کا غبار پاش پاش ہوکر محبّت کا ثمرہ مرتب ہوجاتا ہے، اس وقت محبوب اس پر ترس کھا کر اپنے فضل وکرم سے اس حقیر ذرّہٗ بے مقدار کو قبولیّت سے نواز دیتا ہے تو وہ ذاکر صاحبِ نسبت، صاحبِ یقین اور موحِّد ومخلص ہوجاتا ہے ؎

شعلۂ رُخ دکھا کے اپنا ہمیں　　سر سے پا تک ہلا دیا کس نے
عشق ومعشوق وعاشق ایک کہہ کر　　سِرّ وحدت سمجھا دیا کس نے

سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی قدس سرّہٗ کا ارشاد ہے کہ وصالِ محبوب حاصل ہونے میں جس قدر دیر ہوتی ہے اُس قدر آتشِ شوق میں اِلتہاب اور خواہشِ وصل میں زیادتی ہوتی رہتی ہے، طالب اگر استقلال ومردانگی سے جدّ وجہد کرے گا تو خدا کے فضل وکرم سے ظفرمندی وکامیابی کی امید ہے۔

اس کے بعد اب کیا ہوگا؟

محبت انتہاء میں مشکلیں آسان کرتی ہے

مگر اس فتنہ گر کی ابتدا مشکل سے ہوتی ہے

اب ذاکر کے تمام رذائل دور ہوجائیں گے کیونکہ عشق سے ام الامراض تکبّر ختم ہوجائے گا۔

هر کرا جامه ز عشق چاک شد — اُو ز حرص و عیب کلی پاک شد

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما — اے طبیب جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما — اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

اب ذاکر کو فنائیت اور معیّتِ الٰہی حاصل ہوگی اس ثمراتِ عشق کی تفصیل ''رسالہ محبت'' میں ملاحظہ کریں، یہاں صرف اتنا بیان کرنا مقصود تھا کہ اذکار و شغال کا اختیار کرنا ایک اہم مامور بہٖ تعلّق باللہ یا نسبتِ احسان کے حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے اور شریعت میں جتنا مہتم بالشان یہ مامور بہٖ ہے اتنی ہی اہمیّت اس کے ذرائع کو حاصل ہے۔

بیعت ہونے والوں کے لئے قطب الاقطاب حضرت شیخ قدّس سرّہٗ کا طرزِ تربیّت اور ترتیب

جو حضرات اللہ کی رضا اور قرب کے لئے ایمان ویقین اور معرفت واحسان کے اعلیٰ مراتب حاصل کرنا چاہیں حق تعالیٰ شانہٗ اُن کو اپنی معرفت بخشیں، وہ حضرات اس بات کا یقین کرلیں کہ حق تعالیٰ جلّ وعلا کی بارگاہ نہایت پاک اور ہرعیب سے غایت درجہ منزّہ ہے اس لئے اُس سے ملنے کا راستہ بھی پاکی اور پاکیزگی چاہتا ہے، معصیتوں سے بھرا ہوا شخص اس بارگاہ کے لائق نہیں، بندہ کی مکمل اصلاح یا تزکیہ جو پاک بارگاہ کے لائق ہو وہ تو کسی کو بھی حاصل نہیں ہوتا جس کو بھی وصول یا نسبت حاصل ہوئی وہ اس ناقص حالت ہی میں مالک کے فضل سے ہوئی البتہ صرف اختیاری درجہ کی اصلاح کی حتی الوسع کوشش اور فکر میں ساری عمر لگے رہنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا سلوک کے لئے تہذیبِ اخلاق کی کوشش اور فکر ضروری ہوا، اخلاق کی درستگی اور صفائی معاملات کے بغیر معرفت اور بزرگی کا تو کیا ذکر عام دیندار مسلمان بھی نہیں کہلایا جاسکتا کیونکہ یہ فرض ہے اور ولایت ونسبت کا حصول تو اپنی عظیم فضیلتوں کے باوجود مستحب ہے لیکن چونکہ اخلاق کا تعلّق قلب ہی سے ہے اور غافل وزنگ آلود قلب کے ساتھ تہذیبِ اخلاق میں کامیاب ہونا بہت ہمّت اور طویل مدّت تک شدید مجاہدہ چاہتا ہے جس کا اب زمانہ نہیں رہا، اس میں خالی وعظ ونصیحت اور تحریروں سے برے اخلاق اور گناہوں کی برائی عقلی

فہرست مضامین

طور پر تو معلوم ہوجاتی ہے اور ان سے عقلی بغض حاصل ہوجاتا ہے لیکن گناہوں کی رغبت ومحبت طبعی ہوتی ہے جو نفس کے زور کی وجہ سے عقل پر غالب آجاتی ہے، اس لئے محض اصلاحی کوشش اور علاج کی تدابیر کی تعلیم زیادہ کامیاب نہیں ہوتی ۔

جانتا ہوں ثوابِ طاعت وزہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اذکار واشغال کرنے سے مالکِ حقیقی کا عشق پیدا ہوکر خلافِ رضا باتوں اور حالتوں کا طبعی بُغض پیدا ہوجاتا ہے جو گناہوں کی طبعی محبت کا مقابلہ کرسکتا ہے اور عقلی جذبات کو بھی تقویّت ملتی ہے اس طرح کوشش اور فکر والے کے لئے اپنی اصلاح آسان ہوجاتی ہے۔اس بارے میں حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد ہے کہ ''پہلے بزرگ اخلاقِ سیئہ کو چھڑانے کی محنتیں کرایا کرتے تھے تاکہ یہ کام (وصول الیٰ اللہ) آسان ہوجائے مگر متاخرین خصوصاً ہمارے سلسلہ کے بزرگوں نے یہ طریق پسند کیا کہ ذکر کی اس قدر کثرت کرے کہ یہ اخلاقِ ذمیمہ ذکر کے نیچے دب جائیں اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے''۔۱۲

......لیکن جس ذاکر کو اپنی اصلاح کا فکر اور اہتمام ہی نہ ہو وہ ذکر کے باوجود رذائل میں مبتلا رہتا ہے کیونکہ رذائل کے دُور کرنے میں اپنے اختیار کو کام میں نہیں لاتا البتہ ذکر سے پہلے بہت زیادہ کوشش کی ضرورت تھی پھر بھی پوری کامیابی مشکل تھی اب تھوڑی سی توجہ کافی ہوجاتی مگر وہ ارادہ ہی نہیں کرتا بلکہ ذکر سے پیدا شدہ عشقی کیفیات ہی کو مقصود سمجھ کر اور اپنی بزرگی پر مطمئن ہوکر اپنی اصلاح سے بالکل ہی بے فکر ہوجاتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی بندگی کے لئے پیدا فرمایا ہے، عشق کی محض ہُوہا کی مستی اور خونخواری کے لئے پیدا نہیں فرمایا، معرفت وعشق کا یہاں مطلب ومقصد ہی ارادۂ طاعت علیٰ وجہ الکمال ہے، احسان کا بھی یہی مطلب ہے کہ عبادت اتنے خلوص اور ایسے اچھے طریقے سے کرے جیسا کہ مالک تعالیٰ شانہٗ کے سامنے ہونے کی حالت میں کرتا اور یہ بات بغیر کیفیتِ حضوری کے حاصل نہیں ہوتی۔

لہٰذا ہمارے حضرت اقدس شیخ قدس سرّہٗ نے بہت اعلیٰ اور اشرف طریقہ اختیار فرمایا جو اس

دور میں بہت مناسب اور حصولِ مقصد میں کامیاب ہے، وہ یہ کہ بیعت کے بعد کچھ عرصہ مثلاً کم وبیش چھ ماہ تک ابتدائی معمولات کے پرچہ پرعمل کراتے ہیں جس سے اصلاحِ عقائد، اصلاحِ اخلاق، اتباعِ سنّت، ذوقِ عبادت اور صفائی معاملات وغیرہ جملہ دینی امور فرض کے درجہ میں حاصل ہوجاتے ہیں یا کم ازکم سالک اس کی کوشش اور فکر میں لگ جاتا ہے

چوتھی تمہید

چودھویں صدی کے آخر میں ایک خطرناک تبدیلی

گواس صدی کے شروع میں خیر کے بڑے بڑے کام بھی ہوئے لیکن خیر کے ان کاموں کا انتہائی عروج پر پہنچ جانے کے بعد زوال شروع ہوگیا۔ اوران کاموں میں ایسا انقلاب آیا کہ امورِ خیر میں خیر کی کمی ہی نہیں ہوئی بلکہ وہ امور امورِ شر اور فتنہ بن گئے اوردین کے بڑے بڑے کاموں میں سے دین اور خیر کو سلب کرلیا گیا الّا ماشاء اللّٰہ۔

مکاتب، مدارس، جماعتوں، جمعیتوں حتیٰ کہ خانقاہوں میں سے رُوح نکل گئی محض ڈھانچے رہ گئے ہیں الاماشاء اللّٰہ

مثال کے طور پر ہر شخص سوچ لے کہ قرآن پاک کا علم، اس پرعمل کا فروغ اوراس کی برکات آج کل زیادہ ہیں یا آج سے چالیس برس پہلے زیادہ تھیں، جواب کے دونوں پہلو خوب ظاہر ہیں، لیکن اس دور میں مادّیت اور ظاہریّت کا ایسا غلبہ ہے کہ صورت اور حقیقت میں تمیزنہیں کی جاتی، گذشتہ بیس سالوں میں قرآن مجید کی طباعت اوراشاعت حسن وتصحیح کے ساتھ اتنی ہوئی ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی اور حسنِ قراءت وتجوید کے اہتمام وانتظام کے لئے ادارے، تنظیمیں اور مکاتب اوروسائل میں پریس، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کی خوب فراوانی ہے، سیکھنے، سکھانے کی خوب سہولتیں ہوگئی ہیں، اس

میں حسنِ قراءت کے عالمی مقابلے، تقسیمِ انعامات، اعزازات سب کچھ ہو رہا ہے، غرض قرآن پاک کا ذوق عام ہو رہا ہے، ان سب باتوں کو کون مسلمان اچھا نہیں کہتا؟! ......اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں ......لیکن حدیثِ پاک میں شاید اسی صورتِ حال کو علاماتِ قیامت سے فرمایا گیا ہے کہ ''قرآن عام ہو جائے گا'' کیونکہ قرآن کا یہ فروغ عام طور پر صورت کے درجہ میں ہے.....کیا سوچنے والے کے لئے دوسرا پہلو بھی واضح نہیں کہ آجکل قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا، اس کی تلاوت کا عبادت وذکر ہونا، تلاوت کے وقت خشوع وخضوع اور خشیتِ الٰہی کا طاری ہونا، اس کی تلاوت سے قلوب کا تزکیہ ہونا اور قربِ الٰہی کا حاصل ہونا دماغوں سے یکسر نکل چکا ہے، یعنی صرف صورت کا فروغ ہے اور حقیقت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، حالانکہ روح کے بغیر صورت کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی، حدیثِ پاک میں قرآن ہی کے متعلق فرمایا گیا ہے:

عن زیاد بن لبید رضی اللّٰہ عنہ قال : ذکر النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شیئًا فقال : ﴿ذلک عند اوان ذھاب العلم﴾، قلت یارسول اللّٰہ وکیف یذھب العلم ونحن نقرأ القرآن ونُقرء ہ ابناء نا، ویُقرء ہ ابناءُ نا ابناءَ ھم الیٰ یوم القیٰمۃ .فقال: ﴿ثکلتک امک زیادان کنت لاراک من افقہ رجل بالمدینۃ أولیس ھٰذہ الیھود والنصاریٰ یقرؤن التوراۃ والانجیل لایعملون بشیٔ ممافیھما﴾ ۱۲۔احمد،ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ شریف

ترجمہ: حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز (یعنی فتنہ اور ابتلاء) کا ذکر فرمایا، پھر فرمایا ''یہ اُس وقت ہوگا جبکہ علم جاتا رہے گا'' (یہ سُن کر) میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! علم کس طرح جاتا رہے گا؟ حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی پڑھائیں گے، ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زیاد! تمہیں تمہاری ماں گم کردے! میں تو تمہیں مدینے کے لوگوں میں

بڑا سمجھ دار سمجھتا تھا، کیا یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کو نہیں پڑھتے ہیں! لیکن اُن کی کتابوں میں جو کچھ ہے (یعنی احکام) اس میں سے وہ کسی چیز پر عمل نہیں کرتے'' (احمد، ابن ماجہ) ۱۲

ف (مرقاۃ جلد (۱) صفحہ ۳۱۷) مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو تورات و انجیل کی تلاوت نے فائدہ نہیں دیا، جو ان دونوں میں ہے اس پر وہ عمل نہیں کرتے اسی طرح تمہارا اور ان سب کا حال ہے جو کہ قرآن کو بغیر علم کے پڑھتے ہیں اور وہ عالم جو اپنے علم پر عمل نہ کرے وہ جاہل کے درجہ میں ہے بلکہ اُس گدھے کی طرح ہے جس نے کتابوں کا بوجھ اُٹھایا ہوا ہو بلکہ اُس سے بھی بے راہ ہیں (یعنی بدتر ہیں)۔

لیکن اللہ تعالیٰ اپنے دین کے خود محافظ ہیں، اس نے دین کو قیامت تک باقی رکھنا ہے، اس کے لیے نئی جگہوں اور نئے لوگوں کو نوازا جا رہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پرانوں سے کسی جرم کی سزا میں چارج لیا جا رہا ہے اور نئے لوگ آگے آ رہے ہیں یعنی دین کے فروغ کے مقامات اور اشخاص کا تبادلہ ہو رہا ہے اور غور اور دانائی سے دیکھا جائے تو ہر میدان میں یہی نظر آتا ہے۔

اس تبادلہ میں اللہ تعالیٰ کی شانِ قہاری کا ہر طرح ظہور ہو رہا ہے کہ مجرمین جن کو سزا مل رہی ہے اُن سے دین چھینا جا رہا ہے اور دنیا و آخرت کی رُسوائی کے راستے پر چل رہے ہیں، اُن کو اپنی گمراہی کا احساس تک نہیں بلکہ اپنی روش پر خوش ہیں، لیکن جو ابھی تک اللہ تعالیٰ کی اس خفیہ پکڑ میں نہیں آئے اور انہوں نے وہ جرم نہیں کیا جس سے وہ دین کی نعمت چھنتی ہے وہ حضرات چوکنے ہو کر اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں اور جو بھی توبہ کر لے اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

یہاں نہ تو حضرت اقدس شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کی طرف سے کوئی بات نقل کرنا ہے اور نہ ہی کسی بزرگ کا حوالہ دینا ہے کیونکہ یہ ساری حالت مشاہدہ کی سی ہے، ہر شخص آنکھیں کھول کر دیکھ سکتا ہے بشرطیکہ آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہ بندھی ہو، مشاہدہ کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، مندرجہ ذیل واقعات بالکل صاف ہیں:

۱۔ کیا یہ واقعہ نہیں؟

کہ الّا ماشاء اللہ تمام بڑے بڑے مدارس، جماعتوں اور جمعیتوں اور مراکزِ دینیہ میں غبن بددیانتی کے جھگڑے اور اقتدار کی جنگ اور فساد نہیں ہو رہے، ان مراکز کو حصولِ مال اور حصولِ جاہ کا ذریعہ نہیں بنایا ہوا۔

۲۔ پرانے خادمانِ دین (مدرّسین حضرات)

جو ذرا ذہین ہیں اور اُن کو دنیاوی اسباب میسّر ہیں اُنہوں نے ان دینی خدمات میں لگایا ہی نہیں جن میں بڑھاپے کی مجبوری سے خود لگ رہے ہیں اور ان میں کوئی اپنے بچے کو علمِ دین پڑھاتا بھی ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ مال وجاہ کے حصول والے طریقے سے اس لائن میں لگاتا ہے، مثلاً پی، ایچ ، ڈی وغیرہ کرانا یا کسی مشہور جامعہ کی سند دلانا اگرچہ جانتا ہے کہ اس جامعہ کی دینی حالت کی کوئی حیثیت نہیں ہے یا اپنے ہی مدرسہ میں تدریس وتعلیم کی بجائے اہتمام اور تنظیمی امور میں لگانے کی کوشش کی جاتی ہے ایسی نیتوں کے ساتھ خدماتِ دینیہ کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہ گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا۔

۳۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟

کہ بہت سی خانقاہیں تو بزرگوں کے وصال کے بعد بند ہی ہو گئیں جو کچھ باقی ہیں الّا ماشاء اللہ وہ سیاست کے اڈے اور گروہ بندی کے مرکز بن گئے، یہاں یہ مطلب نہیں کہ امورِ سیاسیہ دین سے الگ ہیں بلاشبہ یہ بھی دینی خدمت ہے اور اپنی جگہ ضروری مگر خانقاہ کا یہ موضوع نہیں۔ جیسے درس وتدریس خدمتِ دینیہ کا اعلیٰ شعبہ ہے مگر یہ خانقاہی کام نہیں ہے اگر کسی خانقاہ میں ذکر شغل مراقبہ اور اصلاحی مجالس کی بجائے صرف نحو اور فقہ کی تعلیم شروع ہو جائے تو وہ مدرسہ بن جائے گی چاہے اس کا نام خانقاہ ہی رہے۔

۴۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے؟

کہ مراکزِ دینیہ کے مہتمم، ناظم اور امیر صاحبان میں دنیاداروں سے زیادہ تکبّر ورعونت، بدخُلقی، بداخلاقی۔ لالچ ورذالت اس درجہ کی نہیں کہ عام آدمی کو بھی فوراً محسوس ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے جاہل عوام اُنہیں کو دین کا صحیح نمائندہ سمجھتے ہوئے دین سے دُور ہورہے ہیں اور برملا ان باتوں کا تذکرہ دنیادار لوگ اپنی مجلسوں میں ذکر کرتے ہیں

۵۔ کیا خدماتِ دینیہ کو دنیا کے لئے کرنا خواہ جاہ وشہرت کے لئے کرنا دین کی ناشکری نہیں ہے؟ علماء نے جب یہ روش اختیار کرلی تو وہ علماءِ سُوء میں شامل ہوگئے جن کے متعلق قرآن وحدیث میں بہت وعیدیں اور ان کی خدمات کا باعثِ فتنہ ہونا آیا ہے چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے ﴿اولٓئک الذین اشترو االضلالۃ بالھدیٰ ......الآیۃ﴾ اس لئے اب نعمتِ دین کا تبادلہ ہورہا ہے، جولوگ دُنیا کو چھوڑ کر اِس نعمت کو حاصل کرتے ہیں اُن کو یہ نعمت دی جارہی ہے، یہ نئے لوگ دین کو ان پرانی جگہوں سے حاصل کریں گے جن میں خیر وشر مخلوط ہے حتیٰ کہ غیر مخلص اشخاص سے بھی ان کو علم حاصل ہوجائے گا جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید رجلِ فاجر سے بھی کرالیتا ہے اور بہت سے جنّتیوں کا جہنّمی علماء کی تعلیم سے جنّت میں جانے کا ذکر بھی آیا ہے۔

۶۔ جب مُصلحین، معالِجین اور دینی شفاخانوں کا یہ حال ہوگیا تو عوام کی دینی بدحالی جس قدر بھی ہو کم ہے، عوام میں ہمیشہ سے دیندار طبقہ بھی رہا ہے، جس کو دین کا شوق ہوتا ہے یہ طبقہ علماءِ حق کے زیرِ اثر ہوتا ہے، اب علماء کی موجودہ روش کی وجہ سے اس طبقہ نے بھی علماء سے تعلّق توڑنا شروع کردیا اور بغیر علم کے دین میں بے راہ روی اختیار کرلی ہے انہوں نے اپنی مرضی سے اپنی طبیعت اور ماحول کے مطابق ایک نیا اسلام گھڑلیا ہے جس میں بہت سی حرام چیزیں ''کوئی حرج نہیں'' کے تحت آجاتی ہیں اور بہت سے فرائض ''کوئی ضرورت نہیں'' کے تحت حذف ہوجاتے ہیں، سب ٹھیک، سب سے صلح والے طریقے پرامن اور شرافت سے زندگی گذار رہے ہیں

جو کہ حقیقت میں جہالت اور بے حیائی ہے۔ بشرطیکہ ضروریاتِ دین کے انکار تک نوبت نہ پہنچے ورنہ اکثر تو ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور مطمئن رہتے ہیں، بہت سے لوگوں کو شیطان اس دھوکہ میں ڈال دیتا ہے کہ ہم مخلص ہیں اور بعضوں کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ فلاں مخلص ہے مگر یہ جان لینا چاہیئے کہ شریعت کے خلاف عمل کرنے میں اخلاص کی کوئی حیثیت نہیں۔

۷۔ یہ بھی واقعہ ہے

کہ یہود و نصاریٰ تمام اسلام دشمن طاقتیں ہمیشہ سے دینِ اسلام کو ختم کرنے کی کوشش میں رہتی ہیں، دین کو نقصان پہنچانے کے لئے یہ لوگ ہمارے دینی علوم بھی حاصل کرتے ہیں، ان میں بڑے بڑے فاضلِ علومِ دینیہ ہیں حتیٰ کہ بہت سے علماءِ دین بھی دینی علوم میں پی، ایچ ڈی کی ڈگریاں انہیں کی یونیورسٹیوں سے حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ دین کو ختم کرنے کے لئے آئے دن سازشیں کرتے رہتے ہیں اور بڑی گہری اسکیمیں بناتے ہیں اور اس پر ان کی حکومتیں کروڑوں کے حساب سے روپیہ خرچ کرتی ہیں اور اپنے ذرائع و وسائل استعمال کرتی ہیں۔

ان کو ہماری کتب سے اور ہمارے بزرگوں کے ارشادات سے ذکر اللہ اور معرفتِ الٰہی، ہمارے دین کی رُوح ہونا معلوم ہو گیا ہے، آجکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی ساری توجہ اس رُوح کو ختم کرنے میں مصروف ہے۔

خدا ہی جانتا ہے کہ انہوں نے کیا کیا طریقے اختیار کئے ہیں اور کئی مخلص صاحبِ علم، باہوش بزرگوں کے گرد ایسا ماحول تیار کیا ہے جو ان بزرگوں کو واقعات کے برعکس خبریں دیتا ہے، چنانچہ تقسیمِ ہند سے قبل ایک بڑے دینی مرکز کے متعلق ایک واقعہ خود بندہ کے علم میں ہے، انگریز کا ایک سی آئی ڈی ذاکر شاغل بزرگ صورت ہمارے بزرگوں سے بیعت اور خدمت گار متواضع آدمی مستقل مرکز میں رہتا تھا اور وہاں کے کاموں میں دخیل تھا لیکن اللہ کا فضل ہوا تو وہاں کے ماحول سے متاثر ہو کر اُس نے اپنا راز از خود ظاہر کر دیا، یہ اُس وقت کا حال ہے جب اُس دینی مرکز کا دائرۂ عمل بہت محدود

تھا، اور ظاہر ہے کہ جتنا زیادہ عمل بڑھے گا دشمن بھی ہاتھ پاؤں زیادہ چلائے گا اور دشمنوں کی ان چالوں سے آج کون بے خبر ہے، ایسی ایسی غلط فہمیاں ذکر اور تصوّف سے روکنے کے لئے پھیلائی جاتی ہیں کہ الامان والحفیظ، کہیں اسے کتاب وسنّت کے خلاف کہا جاتا ہے، کہیں دوسرے دینی کاموں کیلئے رکاوٹ بتلایا جاتا ہے، کہیں حالاتِ حاضرہ اور حکمتِ عملی کے خلاف سمجھایا جاتا ہے اور **جس چیز** کو سلف اور خلف نے نہایت اہم سمجھا اور سارے ہی اکابر نے اُسے دل وجان سے اپنایا اور دینی استقامت اور پختگی کے لئے نہایت ضروری جانا اُس سے نعوذ باللہ پیچھا چھڑانے کے لئے عجیب عجیب ڈھنگ اختیار کئے جانے لگے حالانکہ ذکر سے کسی بھی صاحبِ علم، دین دار سنجیدہ طبقہ کا خلاف ہونا واقعات کے خلاف ہے، اس سلسلہ میں مسلمانانِ عالم کے محسن عرب حضرات کے متعلق بہت غلط باتیں پھیلائی جارہی ہیں، خصوصاً سعودی عرب کے متعلق بہت بدگمانی ہے، کہ یہ حضرات ذکر اور سلوک کے خلاف ہیں، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایک زمانہ میں یہاں شرک وبدعت کا بہت شیوع ہوگیا تھا خصوصاً جو لوگ اہلِ تصوّف کہلاتے تھے اُن میں بدعات اور خرافات کا بہت زور تھا جس کی بہت قوّت سے تردید کی گئی تھی اور ان خرافات کو قوّت سے ختم کیا گیا جو کہ دراصل سلوک اور تصوّف کی بہترین خدمت ہے، جیسا کہ ہندوستان کے مشائخِ حقہ نے بھی گذشتہ صدی میں اس پہلو پر خاص توجہ فرمائی تھی، حضرت شاہ اسماعیل شہید، حضرت سید احمد شہید اور خاندانِ ولی اللّٰہی کے جانشین حضرات علماءِ دیوبند، حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی، حضرت سہارنپوری، حضرت مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں بہت کوشش کی جس کی بناء پر اہلِ بدعت ان حضرات کو وہابی اور ذکر وسلوک کے مخالف سمجھتے ہیں حالانکہ فی الحقیقت یہ حضرات بدعات کے مخالف تھے، کچھ ایسا ہی حال ان عرب مصلحین کا ہے۔

یہاں پر حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی کی ایک مطبوعہ تحریر نقل کی جاتی ہے، فرماتے ہیں کہ:

سعودی عرب کو بدنام کرنے کے بارے میں بہت سی عجیب وغریب باتیں لوگ پھیلاتے ہیں،

بعض اپنی سادگی اور جہالت کی بناء پر اور بعض کسی بغض یا عناد پر، خاص طور پر تقلید وسلوک کے بارے میں یہ حقیقت ہے کہ سعودی نظامِ حکومت میں دینِ اسلام مذہب اہلسنّت والجماعت اور ''فقہِ حنبلی'' پر دینی اختلافات میں عمل ہے۔ ''قضاۃ وتعلیم'' ساری کی ساری حنبلی مذہب کے مطابق ہے، اسی لئے مذاہب اربعہ حنبلی، مالکی، شافعی اور حنفی کسی مذہب کے خلاف قطعًا حکومت یا اس کا کوئی قانون نہیں، البتہ عمل تو چونکہ ایک ہی مذہب پر ہوسکتا ہے اور چونکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کٹر حنبلی تھے جو کہ حکومت کے پیش رو ہیں اس لئے عملاً حنبلی مذہب اختیار کیا، نیز اسی طرح صحیح سلوک وتصوّف کے بارے میں بھی اصلاً شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے آل وعلماءِ راسخین بالکل خلاف نہیں ہیں ان حضرات کے پیش رو وا کابر شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ وابن القیم ؒ وغیرہ کی کتب وآراء اس بارے میں مشہور ہیں، خود سعودی حکومت نے اپنے خرچ پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا فتاویٰ چھپوایا اس میں ایک پوری جلد تصوّف کے بارے میں ہے اور ایک پوری جلد سلوک کے بارے میں ہے جس میں شرعی سلوک وتصوّف کے بارے میں صاف اور واضح الفاظ میں تائید وحمایت فرمائی ہے، البتہ تصوّف میں واردہ بدعات وخرافات کی قوت سے نشاندہی وتردید کی ہے، شیخ ابن قیم ؒ کی تو پوری کتاب '' مدارج السالکین '' ہے ہی، تصوّف کی مشہور کتاب ''منازل السائرین'' کی مفصل شرح وخدمت ہے، اس طرح سعودی حکومت دارالافتاء کی طرف سے مشہور تصوّف کے ائمہ کی کتابیں جیسے امام غزالی ؒ کی ''احیاء علوم الدین ''اور امام قشیری ؒ کا ''رسالہ قشیریہ ''اور شیخ سہروردی ؒ کی ''عوارف المعارف ''اور امام ابوطالب ؒ کی ''قوتُ القلوب '' وغیرہ کی باقاعدہ قانونًا باہر سے درآمد، اس کی نشر واشاعت اور مکتبات میں بکنے کی عمومی اجازت ہے۔

اسی طرح اس بات کی مشہور علماءِ نجد آلِ شیخ محمد بن عبدالوہاب ؒ نے مختلف مواضع پر توضیح فرمائی ہے کہ شریعت کے مطابق تصوّف کے وہ ہرگز خلاف نہیں اور یہی ہمارے اکابر کا امتیازی عمل رہا ہے کہ تصوّف برحق مگر ہر حال میں وہ شریعت کا پورا پورا پابند

(چنانچہ شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب اپنے رسالہ "الهديۃ السنيۃ" صفحہ ۵۰ مطبعہ

"المنار" مصر میں اپنے دعوت و مسلک کے متعلق وضاحت فرماتے ہوئے انہیں سطور پر رسالہ ختم کرتے ہیں: ''ہم طریقۂ صوفیہ وتزکیۂ باطن (کی کوشش جن میں اذکار واشغال ومجاہدات ہی ہیں) کے بھی منکر نہیں ہیں بشرطیکہ اس راہ کا سالک شریعت وسنّت کا پابند و پیرو ہو'' (شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈا اور ہندوستان کے علماءِ حق پر اس کے اثرات)

البتہ چند متعصب بے وقوف قسم کے لوگ جو کہ ہر طبقہ وجماعت میں موجود ہوتے ہیں ایسے ہی سعودی عرب میں بھی پائے جاتے ہیں اور بدقسمتی سے اُن میں سے بعض اچھے عہدوں پر بھی فائز ہیں (یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی عہدے پر فائز ہوتا ہے تو وہ اپنی آراء ونظریات کے پھیلانے میں اس عہدے کو عام طور پر استعمال کرتا ہے) اس لئے بعض سطحی نظر والوں کو اس بارے میں دھوکہ ہوجاتا ہے، حالانکہ الحمدللہ سعودی عرب کا اکثر سنجیدہ سمجھ دار علمی حلقہ اس بات کے حق میں ہے کہ جزئی اختلافات کو نظر انداز کرنا چاہیئے۔ انتہیٰ کلامہٗ۔

بس ذکر کی لائن کے مخالف نہ ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے، یہ ضروری نہیں صوفیاء کے ذکر وشغل کے کسی طریقے سے اختلاف بھی نہ ہو، اجتہادی مسائل میں اختلاف کا ہونا تو ضروری ہے اور باعثِ وُسعت ورحمت ہے جیسا کہ ائمۂ اربعہ کے اختلاف کا حال ہے اسی طرح خود ائمۂ تصوّف کے درمیان تزکیۂ باطن اور ذکر کے طریقوں کے متعلق اختلافات ہیں، کیونکہ یہ طریقے بھی بطور معالجات ہیں، ان کا کسی کے یہاں بھی مقاصد کا درجہ نہیں ہے۔ اس لئے اگر کسی جگہ وقتی طور پر جہر مناسب نہ ہو تو اس کے بدلے ذکرِ خفی ہی کا اہتمام ہونا چاہیئے اور ہمارے اکابر کے یہاں جو ذکرِ جہری ہے اس میں بھی کوئی بات قابلِ اشکال نہیں کہ اس میں اوّل تو جہر کی ادنیٰ مقدار کافی ہے، دوسرے مجلس میں آواز ملا کر کرنا نہیں ہوتا بلکہ خود مجلس بھی ضروری نہیں، متفرّق طور پر بیٹھے ہوئے کلمۂ طیبہ ہلکی آواز سے کچھ لوگ پڑھتے رہیں تو کون مسلمان مخالف ہوسکتا ہے۔ حرمین شریفین میں ساری دنیا جانتی ہے کہ سب لوگ تلاوتِ قرآن اور اپنے اپنے اذکار میں مشغول رہتے ہیں اور بعض مراقبات

بھی کرتے ہیں۔ مجاہدات میں کم بولنا، کم کھانا، اختلاط کم کرنا ہے، کوئی مسجد میں رسّی باندھ کر اُلٹے تو لٹکنے کو نہیں کہا جاتا۔

ہمارے حضرت شیخؒ کے ابتدائی قیامِ حجاز میں رابطہ عالمِ اسلامی کی کفالت میں شاہ فیصل مرحوم کے امر سے اقامہ (دوامی ویزا) بنا، اور سعودی عرب کے اکابر علماء کی تصدیق کے بعد بنا، اس میں حضرت کا مشغلہ "بث العلم" یعنی علم کا پھیلانا تحریر تھا، حالانکہ تمام علماء اس بات کو جانتے تھے کہ حضرت شیخؒ اپنے دور میں جیسے حدیث کے امام ہیں اسی طرح تصوّف کے بھی شیخ المشائخ ہیں جن کے ہزاروں نہیں لاکھوں مرید پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، پھر حضرت نے اپنی تصانیف "اوجز" "لامع" وغیرہ سب ہی اکابر علماء و مشائخ کو ہدیۃً بھیجیں، ان کتب کے شروع ہی میں جہاں حضرت نے اپنے سلاسلِ حدیثیہ کا ذکر فرمایا ہے وہاں اپنا سلسلۂ تصوّف اور چشتی، نقشبندی، قادری، سہروردی ہونا بھی صاف صاف تحریر فرمایا ہے، ہمیشہ حضرت کہیں بھی ہوں بیعت و ذکرِ جہری کی مجلس کا با قاعدہ بہت اہتمام سے سلسلہ قائم رہتا تھا، یہ مجالسِ ذکر اور بیعت وغیرہ کسی تہہ خانہ میں پوشیدہ طور پر نہیں ہوتی تھی بلکہ حضرت کے یہ اعمال سب ہی کے سامنے اور سب ہی کے علم میں تھے۔

اسی دوران حضرت کا تابعیہ (شہریت ملنا) بنا، اس کا امر بھی علماء کی تصدیق کے بعد نافذ ہوا، بہت سے سعودی علماء نے نیازمندانہ حاضر ہو کر حضرت سے اجازتِ حدیث حاصل کی، حضرت کی مرض الوفات اور اُس سے پہلے جب کبھی طبیعت ناساز ہوئی تو بکثرت علماءِ سعودیہ عیادت کے لئے آتے رہتے تھے اور حضرت کی وفات پر نمازِ جنازہ ہی نہیں بلکہ تدفین میں شرکت کرنے والوں میں اکثریت سعودی علماء ہی کی تھی، مسجدِ نبوی (صلی اللہ علیٰ صاحبہ وسلم) کے تمام ائمہ، حکّام اور عدالتوں کے اکثر قضاۃ، جامعہ اسلامیہ کے اکثر اساتذہ و طلباء پوری تدفین میں شریک رہے، حالانکہ بہت ہی قلیل وقت میں تجہیز و تدفین عمل میں آ گئی تھی۔

یہ تو سعودی عرب کا حال تھا، جن ممالک کو عرب ملک کہا جاتا ہے وہ کل بیس (۲۰) ملک ہیں

اوراگر امارات عربیہ متحدہ میں سے ہر امارت کو علیحدہ شمار کیا جائے تو چھبیس (۲۶) ہو جاتے ہیں، لبنان کو چھوڑ کر سب کے سب مسلم ممالک ہیں گو ان کی حکومتوں کی طرف سے بالعموم کوئی دینی پابندی نہیں ہے اور اکثر ملک ان میں پہلے نوآبادیات رہ چکے ہیں اس لئے ان میں یورپی اقوام کے اثرات بھی کافی ہیں مگر اس کے باوجود دیہاتوں اور چھوٹے شہروں میں بالعموم سارے ہی عرب ملکوں میں دینی فضا بہت اچھی ہے بڑے شہروں میں مغربیت کا اثر ہے مگر الحمدللہ جہاں جہاں اچھے انداز سے دینی کوشش علماء ومشائخ کررہے ہیں' اس کے نتائج بھی اچھے نکل رہے ہیں عرب بالعموم دین کے معاملے میں جذباتی ہوتے ہیں، دین کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ماثورہ جملہ ان کے حق میں پورا اترتا ہے کہ "العرب معدن الاسلام" ان سب ہی ملکوں میں جگہ جگہ مراکزِ علمیہ قائم ہیں اور دینی مکاتب مساجد بکثرت ہیں علماء، وعاظ ودعاۃ مشائخ اپنے اپنے انداز سے کام کررہے ہیں۔

ایک بات ان سب عرب ملکوں میں مشترک ہے

کہ صرف ایک دو علاقے چھوڑ کر بقیہ تمام کے تمام عرب ملکوں میں مشائخِ صوفیہ کی لوگوں کے دلوں پہ حکومت ہے اور ہر جگہ ان کا غلغلہ ہے حتیٰ کہ خود سعودی عرب میں علاقہ نجد وقسیم کو چھوڑ کر بقیہ علاقوں کا یہی حال ہے اور سابقہ ایام میں ان مشائخ کے اسلاف کی دینی واصلاحی خدمات بھی ہر جگہ جانی پہچانی اور مسلّم ہیں، مگر نہایت افسوس ہے کہ ان حضرات صوفیہ میں بالعموم بدعات کا کم وبیش خوب رِواج اور شیوع ہے جیسا کہ ہندوستان وپاکستان میں قدیم مشائخ کی بعض خانقاہوں کا حال ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدعت ان صوفیہ کا شعار بن گئی ہے جس کی وجہ سے علماءِ دین ان بدعات کا زور وشور سے رد کرتے ہیں اور الحمدللہ عرب ملکوں میں ہر جگہ ایسے مشائخ صوفیہ محققین پیدا ہوگئے ہیں جو اس بات کو واضح کررہے ہیں کہ تصوّف کا بدعت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ روحِ تصوّف کے بالکل

منافی ہے اور عام طور پر یہ حقیقت لوگوں پر واضح ہو رہی ہے۔

اور بنظرِ غائر و تحقیق سے اگر دیکھا جائے تو اِن بدعات کو ختم کرنے کا آسان اور حکمت آمیز راستہ بھی یہی ہے کہ تصوّف کو اپناتے ہوئے ان لوگوں کی اصلاح کی جائے، چونکہ جب آپ تصوّف اور ذکر ہی کے خلاف ہوں گے تو تصوّف کو ماننے والے جو بھاری اکثریت میں ہیں کیسے آپ کی اصلاحی بات سنیں گے۔

چنانچہ اصلاح کا کام کرنے والوں کو یہ بات پیش آتی رہتی ہے کہ تصوّف کے بغیر اُن کی دعوت کو رد کر دیا گیا لیکن جب مصلحین و مبلغین نے اپنا اہلِ تصوّف اور اہلِ ذکر ہونے کا تعارف کرایا تو شوق سے اُن کی بات سُنی گئی اُن کا ساتھ دیا گیا۔

مذکورہ بالا صورتِ حال کوئی گذشتہ صدیوں کے تاریخی احوال نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ موجودہ وقت کے واقعات ہیں۔ کسی ایک ملک کے ایک مخصوص طبقے کا کوئی اکا دکا ذکراللہ کی مخالفت کا واقعہ سامنے رکھ کر سارے عرب ممالک کے متعلق بدظنی کرنا کسی طور پر صحیح نہیں اور پھر اس خلافِ واقعہ امر کی وجہ سے ساری دنیا میں تصوّف کے نام اور اشغال سے پرہیز کرنا بہت ہی عجیب ہے۔

بہر حال آجکل کسی دھوکہ یا لالچ کی وجہ سے بعض اہلِ حق کی طرف سے بھی اس روحِ اسلام کی مخالفت ہو رہی ہے جس کی وجہ سے ساری امّت میں فتن و شرور بڑھ رہے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی اس سازش یا شیطان کے مکر سے ذکراللہ کی مخالفت میں دشمنوں نے یہاں تک محنت و کوشش کی اور ایسا پروپیگنڈہ کر کے ذہنوں کو متاثر کیا کہ جو حضرات ذکر کے مخالف نہیں ہیں، ذکر کی ضرورت سمجھتے ہیں، بزرگوں سے بیعت ہیں خود ذکر کرتے ہیں وہ بھی اس لائن کو دوسری خدماتِ دینیہ کے مقابلہ میں بہت ہی حقیر جانتے ہیں، اس کو مقدم نہیں کرتے اور جتنی اہمیت دینی چاہیئے اتنی نہیں دیتے حالانکہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے (ولذکر اللہ اکبر) اس کو حقیر سمجھنا ذکر کے ادب کے خلاف ہے اور اس حالت میں ذکر کی برکات سے محرومی ہے کہ "بے ادب بے نصیب" برکاتِ ذکر کے بارے میں

حضرت شیخ قدس سرّہٗ نے بہت تفصیل سے اپنے رسالہ فضائلِ ذکر میں تحریر فرمایا ہے۔

ذکراللہ کے فروغ کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) ''جو شخص رحمان کے ذکر سے (جان بوجھ کر) اندھا ہوجائے ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں''۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ (ترجمہ) (پہلے منافقوں کا ذکر ہے) یعنی ''اُن پر شیطان کا تسلّط ہوگیا پس اُس نے اُن کو ذکراللہ سے غافل کردیا، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں، خوب سمجھ لو یہ بات محقق ہے کہ شیطان کا گروہ خسارہ والا ہے''۔

مجالسِ ذکر سے متعلّق ابحاثِ متفرّقہ

۱۔ مسجد کے اندر مجلسِ ذکر

مساجد کا ذکراللہ اور اس کی اطاعت کے لئے ہونا تو ظاہر ہے، جس میں نماز، تلاوت واذکار، وعظ ونصیحت، درس وتدریس سب کچھ آجاتا ہے، فرض نماز تو وقتِ مقررہ پر سب اکٹھے مل کر ادا کرتے ہیں باقی نوافل، تلاوت اور ذکر وغیرہ میں آزادی ہے لیکن مساجد چونکہ مشترکہ اور عمومی جگہ ہے اس لحاظ سے بھی اس کے کچھ آداب وضوابط ہیں تاکہ ایک کی عبادت دوسرے کی عبادت میں تشویش پیدا نہ کرے، اور ایک کو دوسرے سے کوئی اذیّت نہ پہنچے، حدیث پاک میں ہے کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

مسجد میں انفرادی واجتماعی ذکر وتلاوت کا مطلوب ہونا تو مجالسِ ذکر کے فضائل کی احادیث میں گذر چکا کہ صحابہ کرام مسجد میں اکٹھے بیٹھ کر ذکر کرتے تھے، جیسا کہ حدیث نمبر (۲) میں صحابہ کا مسجد کے آخری حصہ میں جمع ہوکر ذکر کرنا آیا ہے، اشکال صرف ذکر بالجہر میں ہے خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی کیونکہ آواز وشور سے سونے والوں اور نماز پڑھنے والوں کو تشویش اور تکلیف ہوتی ہے،

ذکر بالجہر کی مجلس اگراس انتظام ورعایت سے ہو کہ اُس وقت معتکفین کے سونے کے اوقات اور نمازوں کے اوقات نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ فتاویٰ خلیلیہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدّث سہارنپوری مہاجر مدنی ؒ نے اور ضمیمہ آداب المساجد میں حضرت حکیم الامّت مولانا تھانویؒ نے امام شعرانیؒ کا قول نقل فرمایا ہے:"اجمع العلماء سلفًا وخلفًا علیٰ استحباب ذکر الجماعۃفی المساجدوغیرھاالّاأن یشوّش جھرھم علیٰ نائمٍ اومصل......الخ

(شامی ج ا صفحہ۴۴۴)

ترجمہ: یعنی" مساجد میں اجتماعی ذکر کے مستحب ہونے پر علماءِ سلف وخلف کا اجماع ہے بشرطیکہ سونے والوں اور نمازیوں وغیرہ کو اُن کے جہر کی وجہ سے تشویش نہ ہو"۔

ایک خطرناک وعید

اللہ جل جلالہٗ فرماتے ہیں:﴿ومن اظلم ممن منع مسٰجداللّٰہ ان یذ کر فیھااسمہٗ﴾
یعنی"اُس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے منع کرے"

(بیان القرآن)

یہ آیت اگرچہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن مسلمانوں کے لئے یہ اور بھی ڈرنے کی چیز ہے کہ اُن کے افعال کفار کے مشابہ ہونے لگیں۔ بعض لوگ طرح طرح کے بے بنیاد خدشات پیدا کر کے ذکر اللہ سے روکتے ہیں حالانکہ بچوں کی تعلیم کا شور وشغف خصوصاً چھوٹے بچوں سے مسجد کی تلویث جس کی وجہ سے چھوٹے بچوں کا داخلہ ہی بروئے حدیث منع ہے۔ ذکر اللہ سے منع کرنے والے ان امور پر کبھی اعتراض نہیں کرتے بلکہ خود جاری کرتے ہیں۔

الحاصل جہاں ابھی کوئی خانقاہ کی صورت میں الگ مکان نہ ہو اور مجلسِ ذکر کے لئے موزوں کسی کا ذاتی مکان نہ ملے تو محلّہ کی مسجد میں ان شرائط کے ساتھ مجلس کا انتظام کیا جائے جس سے محلّہ کے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ ذکر کے اوقات اور مسجد میں اس کی جگہ باہمی مشورہ سے طے ہو جائے۔ اگر اپنے محلّہ کی مسجد میں اس کا انتظام نہ ہو سکے تو دوسرے محلّہ کی مسجد میں مجلس قائم کی جائے، جو حضرات

ذکر کے لئے وہاں جایا کریں وہ وہاں کے نمازیوں اور مسجد کے جملہ ضوابط اورانتظامی امور کااحترام رکھیں۔

حضرت شیخ ؒ کے خدّام نے بعض جگہ پرمحلّہ کی مسجد میں ہفتہ واری مجلس قائم کی ہے اورمجلس کادن مختلف رکھاہے، باہمت اہلِ توفیق ہفتہ کے ساتوں دن کسی نہ کسی مجلس میں شرکت کرتے ہیں، یہ نظم اپنے اپنے محلّہ میں شرکت کے لحاظ سے سہولت اوراس مبارک کام کے فروغ کا بہترین ذریعہ بھی ہے کہ نئے لوگوں کادوسری جگہ جاناتومشکل ہےاپنے محلّہ میں بلاارادہ بھی شرکت ہوجاتی ہے۔

ذکرِ جہری اورذکرِخفی کی مجالس بھی علیحدہ علیحدہ ہوناچاہیئےلیکن ذاکرین کی دونوں قسمیں دونوں مجالس میں برکت کے لئے شرکت کرسکتے ہیں یعنی جہری ذکروالے جب ذکرِخفی کی مجلس میں شرکت کریں تووہاں جہری ذکرنہ کریں مراقبہ وغیرہ کریں یابلاآواز کے زبانی ذکراوراورادمیں مشغول رہیں اوراس قسم کے تمام امورمیں اپنے اپنے شیخ کے مشورہ سے عمل کریں۔اورکسی کا یہ خیال کرناکہ صرف ہماری ہی مجلس کی رونق بڑھے اس راستے کی روح کے خلاف ہے،البتہ توحیدِ مطلب اس راستے کارکن ہےجس کی رعایت ضروری ہے۔

دوازدہ تسبیح

مجالسِ ذکرمیں عام طورپربارہ تسبیح کاذکرکیاجاتاہے یہاں اس کی ترتیب اورحکمت کابیان ہے

حضرت شیخ الحدیث مولانامحمدزکریارحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''شریعت وطریقت کاتلازم'' میں فرماتے ہیں، مشائخِ چشتیہ کے یہاں بارہ تسبیح کاذکربہت مشہورہے،اس میں پہلے دوتسبیحیں لاالٰـــــہ الااللّٰہ کی،......چارتسبیحیں الّااللّٰہ کی،پھرچھ تسبیحیں اللّٰہ اللّٰہ کی اورآخرمیں ایک تسبیح صرف اللّٰہ کی،

حضرت تھانویؒ ''التکشّف صفحہ ۲۰۷''میں فرماتے ہیں:

صرف الّاالـلّٰـہ کے ذکرپربعض کایہ اعتراض ہے کہ مستثنٰی بدوں مستثنٰی منہ اورعامل کے عبارت بے معنیٰ ہے،ایساذکرِ بے معنیٰ نہ معتدبہ ہے نہ موجب اجرپس عبث ہوا،پھرکیوں یہ اختیارکیاگیا؟

سو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فتحِ مکّہ کے موقعہ پر خطبہ میں یہ ارشاد فرمانا کہ اس کا گھاس نہ کاٹا جائے، اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا کہ یارسول اللّٰہ الا الاذخر، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمانا ﴿اِلَّا الاذخر﴾ اس سے جو اشخذ فِ عامل و مستثنیٰ منہ کا، وقت قیامِ قرینہ کے معلوم ہوتا ہے پس اَلّا اللّٰہ بھی اس قرینہ سے کہ اس سے قبل لا الٰہ اَلّا اللّٰہ کا ذکر ہو چکا ہے یا بقرینۂ عقیدۂ ذاکر کے مستثنیٰ منہ عامل محذوف کر دیا تو کیا حرج ہے اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے قبل جو لا الٰہ اَلّا اللّٰہ کہا گیا ہے اس میں صرف اَلّا اللّٰہ کو مکرر لایا گیا اس کا عامل اور مستثنیٰ منہ ہر بار مراد ہوگا اور تاکید کے لئے جو تکرار کیا جاتا ہے کوئی دلیل اس کی تحدید پر قائم نہیں، جس قدر اہتمام ہوگا اُتنا تکرار مستحسن اور مقتضائے مقام ہوگا چنانچہ بعض روایات میں بعض مضامین کی نسبت ہے، مازال یکررھا حتیٰ وددنا انہٗ سکت ......اونحوہ' (یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ ہمارا جی چاہتا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہتے)

احادیث میں کثرت سے اس کی نظائر موجود ہیں، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ایک آدمی کے قتل کرنے کے قصے میں جس کو اُنہوں نے منافق سمجھ کر قتل کر دیا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار یوں فرمانا کہ قیامت میں جب وہ لا الٰہ الا اللّٰہ لائے گا تو اس کا کیا جواب دو گے؟...... بار بار اس کو فرمایا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۹۹)

مشکوٰۃ میں کتاب الجہاد صفحہ ۳۲۴ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک اور بات بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جنّت میں اپنے بندے کے سو (۱۰۰) درجے بلند فرمادے گا اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان، صحابی نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الجہاد فی سبیل اللّٰہ الجہاد فی سبیل اللّٰہ تین مرتبہ......سینکڑوں حدیثیں کتبِ حدیث میں موجود ہیں جو حدیث پڑھنے پڑھانے والوں سے مخفی نہیں ہیں جن میں ایک ہی لفظ کا تکرار کیا گیا۔

اسی طرح لفظ اللہ اللہ پر بعض لوگوں کا اعتراض ہے کہ صرف اللہ اللہ کہنا لفظ مفرد ہے اس لئے نہ کسی معنیٰ خبری کو مفید ہے نہ معنیٰ انشائی کو پھر اس ذکرِ بے معنیٰ سے کیا فائدہ؟ مگر حدیث میں خود اسی افراد کے ساتھ اس نام پاک کو معقول بتایا گیا ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے، قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک ایسی حالت ہو جائے گی کہ دنیا میں اللہ اللہ نہ کہا جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض اس کا تکرار بھی مشروع ہے اور معنیٰ کچھ خبر اور انشاء میں منحصر نہیں، اگر اس سے تبرک واستحضارِ محض ہی مقصود ہو تو بے معنیٰ اور غیر مفید کیوں ہوگا؟ ارشادِ خداوندی ﴿واذکر اسم ربک﴾ ظاہراً الفاظ سے محض اسم کے ذکر کو بھی عام ہے، نیز یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ حرفِ ندا محذوف ہو اور حذفِ ندا شائع اور مشہور ہے، یہ ندا شوق اور نام کے ساتھ تلذذ کی وجہ سے ہوئی۔

(التکشّف ۲۰۷)

اور حضرت تھانویؒ نے ''بوادر'' میں لکھا ہے کہ اس باب میں قولِ محقّق جو تکلف سے بعید ہے یہ ہے کہ جس طرح قرآن پڑھنے میں کبھی تو تلاوت مقصود ہوتی ہے اور اس کے طریق کا منقول ہونا شرط ہے اور غیر منقول کا اختیار کرنا بدعت ہے۔

اور کبھی محض ذہن اور حافظہ میں اس کا متحضر اور راسخ کرنا مقصود ہوتا ہے، اس میں اتباعِ منقول کا کرنا لازم نہیں مثلاً ایک شخص ایک ایک مفرد کا تکرار کر کے یاد کرتا ہے ایک شخص ایک ایک جملے کا، ایک شخص ایک ایک آیت کا، یہ سب جائز ہے، اس کاوش کی ضرورت نہیں کہ اس میں سلف کا کیا طریق؟...... اسی طرح عبادت ذکر سے کبھی خود ذکر بالذات ہوتا ہے، اس ہیئت کا منقول ہونا شرط ہے اور کبھی ذہن میں کسی خاص مطلوب کا استحضار اور رسوخ مطلوب ہوتا ہے جس سے اس عبادت کا تعلق ہو، اس میں اس ہیئت کا منقول ہونا شرط نہیں، پس الا اللہ اور اسمِ جلالہ کے تکرارِ معتاد سے مقصود بالذات ذکر نہیں بلکہ ایک خاص مطلوب کا استحضار مقصود ہے اور وہ خاص مطلوب فنائے علمی غیر اللہ اور توجہ الی اللہ میں تدریجاً

ترقّی کرنا ہے۔ چنانچہ ابتداء میں کثرت مشہود ہوتی ہے اس لئے لاالٰـہ الاالـلّٰـہ سے اس مشہود کی نفی کر کے اس کو راسخ کیا پھر جب اس نفی میں ایک درجہ گویا کامیابی ہوگئی تو محض ثبوتِ ذات کو ذہن میں راسخ کرنے کے لئے اِلّا اللّٰہ کا تکرار کیا پھر ثبوت بھی ایک نسبتِ حکمیہ تھی اس سے بھی نظر اُٹھا کر صرف ذات کا تصوّر ذہن میں راسخ کرنے کے لئے اسمِ جلالہ کا تکرار کیا جس کی مزاولت سے قلب میں غیر مطلوب سے بے التفاتی اور حضرتِ مطلوب کی طرف خالص التفات میں ملکہ راسخ ہو کر پھر ذکرِ کامل کا حق ادا کر کے خوب مقصود حاصل کرتا رہے گا۔

بفضلہٖ تعالیٰ اس تقریر سے سب اشکالات اور اس کے بدعت ہونے کے حکم کا قلتِ تدبّر سے ناشی ہونا ثابت ہوگیا والحمدللّٰہ علیٰ ماالقیٰ وافہم ولقّن والھم۔

اب صرف یہ سوال باقی رہ گیا کہ تو کیا اس صورت میں اس طریق سے ذکر کرنے سے ثواب نہیں ملے گا؟ اس کے جواب میں ہم پوچھیں گے کہ کیا جو شخص قرآن یاد کرنے کے لئے ایک ایک لفظ کا تکرار کر رہا ہے اس کو اس یاد کرنے سے ثواب نہ ملے گا؟ جو اس کا جواب ہے وہی اس کا جواب ہے، اور قواعد پر نظر کرنے سے دونوں کا مشترک جواب یہ ہے کہ گو تلاوت وذکر کا ثواب نہ ملے، لیکن تلاوتِ کاملہ کے لئے سعی وتیاری کرنے کا اور ذکرِ کامل کے لئے سعی وتیاری کرنے کا ثواب ملے گا، فقط، اس سب کے بعد ایک بات گذشتہ اوراق میں تفصیل سے گذر چکی کہ اذکار میں صوفیاء کی یہ قیود وشرائط بطور علاج اور مقاصدِ محمودہ کے لئے مقرر ہوئی ہیں، خود یہ طریقے اور شرائط مقصود نہیں ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

بعض لوگوں پر دین کی خدمت کا اور اس کی دعوت وتبلیغ تعلیم وتدریس واصلاح کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ ذکر اور خانقاہی اعمال کو (جو کہ محققین علماءِ راسخین کے نزدیک حصولِ نسبت وتزکیہ وتصحیحِ نیت کے لئے ضروری ہیں) اس میں رکاوٹ اور دینی کاموں کے لئے مضر سمجھتے ہیں وہ نیت کے اعتبار سے مخلص ہوتے ہیں اور اخلاص ہی سے وہ ذکر کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان میں بعض تو اہلِ حق میں سے ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا منظور نعمانی نے خود اپنا واقعہ اپنی کتاب ''تصوّف کیا ہے'' میں تحریر فرمایا ہے اور بعض لوگ اہلِ باطل میں سے ہوتے ہیں جیسے مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا اور ہم خیال لوگ:

مولانا منظور صاحب نعمانی اپنے ابتدائی زمانہ میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کی خانقاہ میں اپنی پہلی حاضری کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''غالباً پہلا ہی دن تھا، مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر وہ محترم بزرگ خانقاہ کے صحن میں ایک پلنگ پر تشریف فرما تھے، از راہِ شفقت وکرم مجھے بھی اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا تھا، یاد آتا ہے کوئی تیسرا شخص اُس وقت وہاں نہیں تھا، قریب ہی خانقاہ کی سہ دری میں چند ذاکر ''نفی اثبات'' کا اور بعض اُن میں سے اسمِ ذات کا ذکر کر رہے تھے، یہ سب اچھے خاصے جہر کے ساتھ ذکر کرتے تھے، اور مشائخِ سلوک کے تجویز کئے ہوئے خاص طریقوں سے قلب پر ضرب لگاتے تھے، اللہ کے ذکر میں جہر وضرب کا یہ طریقہ اُس وقت میرے لئے صرف نامانوس ہی نہ تھا بلکہ کسی درجہ میں گویا ناقابلِ برداشت تھا، چنانچہ مجھ سے

نہ رہا گیا اور میں نے ادب واحترام کے ساتھ عرض کیا:

''حضرت ساری عمر دین کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اور کتابوں میں جو دیکھا ہے اس سے یہ سمجھا ہوا ہے کہ اصل دین وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور جس کی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعد والوں نے سیکھا اور صحیح نقل وروایت کے ذریعے جو اُن سے ہم تک پہنچا۔

اور یہ حضرات ذاکرین جس طرح جہری اور ضربی ذکر کر رہے ہیں جہاں تک اپنا علم ہے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ تعلیم فرمایا تھا نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین سے اس طریقے پر ذکر کرایا ہے اور نہ تابعین نے اپنے بعد والوں کو یہ طریقہ بتلایا تھا اس لئے ذکر کے اس طریقے کے بارے میں مجھے خلجان ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اگر میرا یہ خلجان کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہے تو اس کی تصحیح ہو جائے۔''

اُن بزرگ نے توقع کے خلاف میرے اس سوال کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے ایک عجیب انداز میں فرمایا:

''مولوی صاحب! یہ بیچارے جو یہاں میرے پاس آتے ہیں یہ کسی اور کام کے نہیں ہوتے، بس اسی کام کے ہوتے ہیں اور اسی کے واسطے آتے ہیں، اس لئے میں ان کو یہی بتلا دیتا ہوں، آپ جو کام کرتے ہیں (یعنی تحریر وتقریر سے دین کی خدمت) یہ بہت بڑا کام ہے، آپ تو یہی کرتے رہیں اور اس چکّر میں نہ پڑیں''۔

ظاہر ہے کہ یہ میرے سوال کا جواب نہ تھا لیکن ان بزرگ نے میری بات کے جواب میں اتنا ہی فرمایا، اور مجھے کچھ اور عرض کرنے اور اپنے اصل سوال کی طرف مکرّر توجہ دلانے کی مہلت دیے

بغیر ہندوستانی مسلمانوں کے بعض اجتماعی مسائل اور اُن کے مستقبل پر گفتگو کا ایک نیا سلسلہ شروع فرمادیا جو میرے لئے بھی دلچسپ تھا، ان کا یہ رویّہ دیکھ کر پھر سے اپنے سوال کو اُٹھانا میں نے بھی مناسب نہ سمجھا اور عشاء کے قریب یہ مجلس ختم ہوگئی۔

اگلے دن مغرب بعد پھر یہی ہوا کہ ذاکرین نے اسی دُھن کے ساتھ اپنا اپنا ذکر شروع کیا، مجھ سے پھر نہ رہا گیا اور میں نے کل کا اپنا سوال پھر یاد دلایا لیکن آج بھی اُن بزرگ نے وہی کل والا رویّہ اختیار فرمایا کہ میری بات کو بالکل نظرانداز فرما کر ہندوستانی مسلمانوں کی غالبًا ماضی اور حال کی مختلف تحریکوں پر گفتگو کا ایک لمبا سلسلہ شروع فرمادیا اور میرا سوال پھر رہ گیا۔

ان بزرگ کے اس رویّہ سے الحمدللہ میں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوا کہ چونکہ میرے سوال کا جواب ان کے پاس نہیں اس لئے یہ اس سے پہلوتہی کررہے ہیں، بلکہ مجھے یہ خیال ہوا کہ غالبًا میرے سوال کو ایک اہل اور طالبِ صادق کا سوال نہیں سمجھا گیا ہے، بلکہ ایک مبتلائے زعم وکبر کا اعتراض سمجھ کر اس کو اس طرح نظرانداز فرمایا جارہا ہے[1] اور اس میں شبہ نہیں کہ اُس وقت اس سوال سے اپنی تشفی (جہاں تک اب یاد ہے) مقصود بھی نہ تھی، بلکہ نیت کچھ اور ہی تھی۔

خانقاہ کے جس حجرے میں میرے سونے کا انتظام تھا نمازِ عشاء وغیرہ سے فارغ ہوکر میں اس میں جا کر لیٹ گیا، اور تصوّف کے اس قسم کے اعمال واشغال پر بطور خود ہی غور کرنے لگا، اس غور وفکر میں خود ہی سائل تھا، اور خود ہی مجیب، یاد آتا ہے کہ اس ذہنی بحث ومباحثہ میں دیر تک نیند نہیں آئی، میں چاہتا تھا کہ ذہن اس مسئلہ میں بالکل یکسو ہوجائے، اگر میرے سوچنے میں کوئی غلطی ہورہی ہے تو اس کی تصحیح ہوجائے، اور اگر میں ٹھیک طور پر سمجھ رہا ہوں تو پھر اس بارے میں مجھے ایسا یقین واطمینان حاصل ہوجائے کہ میں پوری قوت سے ان چیزوں کا ردوانکار کروں، اور ان باتوں کے غلط

---

[1] صوفیوں کو اُن کے ایک بڑے استاد (حافظ شیرازیؒ) کا مشورہ بھی یہی ہے کہ......

بامدعی مگوئید اسرارِ عشق ومستی

بگذرید تا بمیرد در رنج خود پرستی

باطل ہونے پر ایک سچے حق پرست کی طرح اصرار کروں۔

اسی غور وخوض میں دیر کے بعد میرا ذہن ایک دفعہ اس طرف منتقل ہوا کہ تصوّف کے ان خاص اعمال واشغال کو (مثلاً ذکر ومراقبہ کے ان مخصوص طریقوں کو جو مشائخ کے تجویز کیے ہوئے ہیں اور اپنی قیود واوضاع کے ساتھ سنّت سے ثابت نہیں ہیں) میرا بدعت اور نادرست سمجھنا اگر صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مجدِّد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان سے بھی پہلے ان جیسے بہت سے حضرات کو مجدِّد یا مصلح نہیں، بلکہ بدعات کا حامی اور بدعات کا رواج دینے والا ماننا پڑے گا، کیونکہ اُن حضرات نے صرف اتنا ہی نہیں کہ کسی مصلحت یا وقت کے تقاضے سے ان چیزوں کے بارے میں تسامح اور تساہل ہی برتا ہو، بلکہ ان کی تعلیم سے اُن کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، اور ساری عمر اپنے پاس آنے والے طالبین کو اُنہوں نے ان ہی طریقوں سے ذکر وشغل کرا کے ان کا سلوک طے کرایا ہے، بلکہ ان حضرات میں سے اکثر کی زندگی میں جس قدر یہ پہلو نمایاں ہے ان کی کتابوں کے پڑھنے والے اور حالات کے جاننے والے جانتے ہیں کہ غالبًا کوئی دوسرا پہلو اتنا نمایاں نہیں ہے۔

ذہن کے اس طرف منتقل ہونے کے بعد دل نے یہ فیصلہ تو جلد ہی کرلیا کہ مجھ جیسے کم فہم اور ناقص العلم کا کسی مسئلہ کے سمجھنے میں غلطی کرنا زیادہ ممکن اور زیادہ قرینِ قیاس ہے بہ نسبت اس کے کہ امامِ ربانی مجدِّد الفِ ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وشاہ اسماعیل شہیدؒ جیسے اکابرِ علم ودین کی طرف غلطی کو منسوب کیا جائے، اور وہ بھی ایک ایسے فن سے متعلق مسئلہ میں جس کے ساتھ ہمارا تعلق تو صرف نظری ہے، اور ان حضرات کا عمر بھر اس کے ساتھ گہرا عملی تعلق رہا ہے۔

دل نے اپنے خلاف یہ فیصلہ جلدی اور آسانی سے اس لئے کرلیا کہ ان حضرات کی تصانیف کے مطالعہ اور ان کے شخصی حالات اور اصلاحی وتجدیدی خدمات سے کچھ واقفیت کی وجہ سے ان کے رسوخ فی العلم، تفقّہ فی الدین اور عند اللہ مقبولیت کا میں پہلے ہی سے پوری طرح قائل تھا اور میرا دل کسی

طرح یہ قبول نہیں کرسکتا کہ یہ سب حضرات (اپنے اپنے زمانے میں اسرارِ دین کے عارف اور امّت کے مجدِّد ہونے کے باوجود) چند بدعتوں کو قربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خود بھی ساری عمران میں مبتلا رہے............اور اللہ کے ہزاروں بندوں کو بھی ان میں مبتلا کرتے رہے"۔

بیشک مجدِّد نبی کی طرح معصوم اور صاحبِ وحی تو نہیں ہوتا لیکن وہ بدعات کا داعی اور مروّج بھی نہیں ہوسکتا خاص کر دین کے جس شعبے میں اُس کو دوسرے سب شعبوں سے زیادہ انہماک ہو اور وہ اس کا خاص داعی ہو اور اسی کے ذریعے اصلاح وتجدید کا کام کر رہا ہو اس میں اگر وہ بدعت وغیر بدعت میں امتیاز نہ کرسکے گا تو یقیناً وہ اصلاح سے زیادہ افساد کا، اور ہدایت سے زیادہ ضلالت کا باعث ہوگا۔

بہرحال یہ چند خیالی نکتے تھے جن پر پہنچ کر میرے ذہن کی الجھن کچھ کم ہوئی اور میں نے مان لیا کہ غالباً مجھ سے ہی اس مسئلہ کے سمجھنے میں کوئی غلطی ہورہی ہے۔ اور اب مجھے اپنی غلطی ہی کو پکڑنے اور پالینے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

رات کافی گذر چکی تھی اس نتیجہ پر پہنچ کر میں نے اس غور وفکر کا سلسلہ اس وقت ختم کر کے سو جانے کا ارادہ کرلیا اور سو گیا۔

جن بزرگ کی خانقاہ کا یہ قصہ ہے اُن کا معمول ہے کہ روزانہ نمازِ فجر کے بعد چند میل ٹہلتے ہیں، اس دن یہ عاجز بھی ساتھ ہولیا اور رات کے اپنے ذہنی بحث ومباحثے اور اس کے نتیجہ کا ذکر کیا اور عرض کیا کہ:

> "میرے دل ودماغ نے یہ تو مان لیا ہے کہ تصوّف کے ان اعمال واشغال کے بارہ میں جواب تک میں نے سمجھا ہے غالباً وہ صحیح نہیں ہے، اور اس میں کوئی غلط فہمی مجھ سے ہورہی ہے، لیکن ابھی تک میں اس غلطی کو پکڑ نہیں سکا ہوں، چونکہ طبیعت طالب علمانہ پائی ہے اس لئے چاہتا ہوں کہ یہ گرہ بھی کھل جائے اور جو خلش باقی ہے وہ بھی نکل جائے"۔

موصوف میری یہ بات سن کر مسکرائے اور فرمایا:

’’مولوی صاحب آپ کو یہی تو شبہ ہے کہ یہ چیزیں بدعت ہیں؟

یہ بتلائیے کہ بدعت کی تعریف کیا ہے؟‘‘

میں نے عرض کیا:

’’بدعت کی تعریف تو علماء نے کئی طرح سے کی ہے لیکن جو زیادہ منقّح اور محقّق معلوم ہوتی ہے وہ یہی سیدھی سی تعریف ہے کہ دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ جس کے لئے شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو‘‘۔

فرمایا:

’’ہاں ٹھیک ہے لیکن یہ بتلائیے کہ اگر دین میں کوئی چیز مقصود اور مامور بہ ہو، اور اللہ اور رسول نے اس کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہو، لیکن کسی وقت زمانہ کے حالات بدل جانے سے وہ اُس طریقے سے حاصل نہ کی جاسکتی ہو جس طریقے سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں حاصل ہوجایا کرتی تھی، بلکہ اس کے واسطے کوئی اور طریقہ استعمال کرنے کی ضرورت پڑجائے تو کیا اس نئے طریقے کے استعمال کو بھی آپ ’’دین میں اضافہ‘‘ اور بدعت کہیں گے؟......(پھر اپنے مقصد کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے فرمایا)......مثلاً دین سیکھنا سکھانا ضروری ہے اور دین میں اس کا نہایت تاکیدی حکم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس کے لئے صرف صحبت کافی ہوجاتی تھی، تعلیم کے لئے کوئی مستقل انتظام نہیں تھا، نہ مدرسے تھے نہ کتابیں تھیں، لیکن بعد میں حالات ایسے ہوگئے کہ صحبت اس مقصد کے لئے کافی نہیں رہی، بلکہ کتابوں کی اور پھر مدرسوں کی بھی ضرورت پڑگئی،

تو اللہ کے بندوں نے کتابیں لکھیں اور مدرسے قائم کئے، اور اس کے بعد سے دین کے تعلیم وتعلم کا سارا سلسلہ اسی سے چلا اور اب تک اسی سے قائم ہے...... تو کیا تعلیم وتعلم کے طریقے میں اس تبدیلی کو بھی ''دین میں اضافہ'' اور بدعت کہا جائے گا؟

میں نے عرض کیا:

''نہیں! ''دین میں اضافہ'' جب ہوتا ہے' جب کہ مقصود اور امرِ شرعی بنا کر کیا جائے، لیکن اگر کسی دینی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے قدیمی طریقے کے ناکافی ہو جانے کی وجہ سے کوئی نیا جائز طریقہ اختیار کر لیا جائے تو اس کو ''دین میں اضافہ'' نہیں کہا جائے گا، اور نہ وہ بدعت ہوگا''۔

فرمایا:

''بس سلوک کے جن اعمال واشغال پر آپ کو بدعت ہونے کا شبہ ہے' ان سب کی نوعیت بھی یہی ہے، ان میں سے کوئی چیز بھی مقصد سمجھ کر نہیں کی جاتی، بلکہ یہ سب نفس کے تزکیہ اور تحلیہ کے لئے کرایا جاتا ہے جو دین میں مقصود اور مامور بہ ہے.... مثلاً یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر وقت اُس کا اور اُس کی رضا کا دھیان ،فکر رہنا، اور اُس کی طرف سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا، یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں اور قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کامل نہیں ہوتا[۱] لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دین کی تعلیم وتربیت کی طرح یہ ایمانی کیفیتیں بھی آپ کی صحبت ہی سے حاصل ہو جاتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبتوں میں بھی یہ تاثیر تھی، لیکن

---

۱ کتاب وسنت کے جن نصوص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اُن میں سے چند آئندہ اوراق میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے۔۱۲

بعد میں ماحول کے زیادہ بگڑ جانے اور استعدادوں کے ناقص ہو جانے کی وجہ سے اس مقصد کے لئے کاملین کی صحبت بھی کافی نہیں رہی، تو دین کے اس شعبے کے اماموں نے ان کیفیات کے حاصل کرنے کے لئے صحبت کے ساتھ "ذکر و فکر کی کثرت" کا اضافہ کیا اور تجربہ سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔

اسی طرح بعض مشائخ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے احوال کا تجربہ کر کے ان کے نفس کو توڑنے اور شہوات کو مغلوب کرنے اور طبیعت میں لینت پیدا کرنے کے لئے ان کے واسطے خاص خاص قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کئے......

اسی طرح ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لئے اور طبیعت میں رقّت اور یکسوئی پیدا کرنے کے لئے ضرب کا طریقہ نکالا گیا ہے، تو ان میں سے کسی چیز کو بھی مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا، بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے، اور اسی لئے مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑا دی جاتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ائمۂ طریق اپنے اپنے زمانے کے حالات اور اپنے تجربوں کے مطابق ان چیزوں میں ردّوبدل اور کمی بیشی بھی کرتے رہے ہیں، اور اب بھی کرتے رہتے ہیں، بلکہ ایک ہی شیخ کبھی کبھی مختلف طالبوں کے لئے اُن کے خاص حالات اور اور ان کی استعداد کے مطابق الگ الگ اعمال واشغال تجویز کر دیتا ہے اور بعضے ایسی اعلیٰ استعداد والے بھی ہوتے ہیں جنہیں اس طرح کا کوئی ذکر شغل کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ اُن کو یوں ہی نصیب فرما دیتا ہے، اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کو صرف علاج اور تدبیر کے طور پر ضرورۃً کیا کرایا جاتا ہے"۔

ان بزرگ کی اس تقریر اور توضیح سے میرا وہ ذہنی خلجان تو دُور ہو گیا، لیکن ایک نئی پیاس یہ

پیدا ہوگئی کہ جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کو خود آزما کے دیکھا جائے اور اپنے ذاتی تجربہ سے قلبی اطمینان اور مزید یقین حاصل کیا جائے ،لیکن میرے حالات اور مشاغل میں اس کی گنجائش نہیں تھی کہ اس تجربہ کے لئے میں کوئی بڑا اور مستقل وقت دے سکوں ،اس لئے میں نے بے تکلف اور صفائی سے عرض کیا کہ:

''اگر یہ ذکر شغل ان مقاصد کے لئے کیا جاتا ہے،اور اس کے ذریعے یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں تو پھر تو میں بھی اس کا محتاج ہوں،لیکن میں زیادہ وقت نہیں دے سکتا،کیونکہ دین کے جن دوسرے کاموں سے کچھ تعلق کر رکھا ہے اُن کو بھی میں چھوڑنا نہیں چاہتا''۔

فرمایا:

''مولوی صاحب! تصوّف دین کے کام چھڑانے کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس سے تو دین کے کاموں میں قوّت آتی ہے،اور جان پڑتی ہے[۱] لیکن کیا کیا جائے اللہ کی مشیت ہے،جن کو اللہ نے دین کے کاموں کے قابل بنایا ہے وہ اب ادھر توجہ ہی نہیں کرتے ،حالانکہ اگر تھوڑی سی توجہ وہ ادھر دے دیں تو دیکھیں کہ اُن کے کاموں میں کتنی قوّت آتی ہے ،حضرت خواجہ صاحبؒ [۲] نے ،باوا صاحبؒ [۳] نے اور بعد میں حضرت مجدِّد صاحبؒ ،حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت سیّد صاحبؒ نے ہمارے اس ملک میں دین کی جو خدمات انجام دیں اور جو کچھ کر دکھایا (جن کا سَو واں

۱؎ چنانچہ حضرت رائپوریؒ نے مولانا موصوف کو تبلیغی جماعت کے مرکز نظام الدین اولیاءؒ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی خدمت میں جانے کا مشورہ دیا تا کہ اپنی آنکھوں سے خانقاہی اعمال، ذکر اللہ کی قوت و برکت سے دعوت و تبلیغ میں کامیابی دیکھ لیں۔

۲؎ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔

۳؎ باوا شیخ فریدالدین شکر گنج رحمہ اللہ۔

اور ہزارواں حصہ بھی ہماری بڑی بڑی انجمنیں اور جماعتیں نہیں کر سک رہی ہیں) اس میں ان کے اخلاص اور قلب کی اس طاقت کو خاص دخل تھا جو تصوّف کے راستہ سے پیدا کی گئی تھی......لیکن اب صورت یہ ہے کہ اس طرف صرف وہی بیچارے آتے ہیں جو بس اللہ اللہ کرنے کے کام کے ہی ہوتے ہیں، یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں استعدادیں مختلف رکھی ہیں، ناقص استعداد کا آدمی اعلیٰ استعداد والوں کا کام نہیں کرسکتا۔''

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا:

''خدا معلوم لوگ تصوف کو کیا سمجھتے ہیں۔ تصوف تو بس اخلاص اور عشق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور جو کام عشق کی طاقت اور اخلاص کی برکت سے ہوسکتا ہے وہ اس کے بغیر نہیں ہوسکتا تو دراصل تصوف ضروری نہیں ہے بلکہ عشق اور اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اگر کسی کو اس کے حاصل کرنے کا اس سے بھی آسان اور مختصر کوئی اور راستہ معلوم ہوجائے تو مبارک ہے، وہ اسی راستہ سے حاصل کرلے، اور ہم کو بھی بتلادے، ہم تو اسی راستہ کو جانتے ہیں جس کا اللہ کے ہزاروں صادق بندوں نے سینکڑوں برس سے تجربہ کیا ہے، جن میں سینکڑوں وہ تھے جو دین کے اس شعبے کے مجتہد بھی تھے، اور صاحبِ الہام بھی تھے''

میں نے عرض کیا کہ:

''جو شخص پہلے سے کسی دینی کام میں لگا ہوا ہو، اور وہ یہ محسوس کرتا ہو کہ اُسے عشق و اخلاص نصیب نہیں ہے، تو کیا وہ کسی مدّت تک اس کام کو چھوڑ کے پہلے اس کی تحصیل کرے، یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو کچھ وہ کررہا ہے اس کو بھی کرتا رہے اور اس کے ساتھ اس کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے؟''

فرمایا:

''ہاں! یہ ہوسکتا ہے، البتہ بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ اُنہیں کچھ مدت کے لئے یکسوئی کے ساتھ اسی طرف مشغول ہونے کی ضرورت ہوتی ہے''۔

میں نے عرض کیا:

''کیا اس کے لئے بیعت ہونا بھی ضروری ہے؟''

فرمایا:

نہیں، بالکل نہیں! ہاں طلب اور اعتماد کے ساتھ محبت اور صحبت ضروری ہے، بیعت تو صرف تعلق اور اعتماد کے اظہار کے لئے ہے ورنہ اصل مقصد میں بیعت کو کوئی خاص دخل نہیں ہے''۔

میں نے عرض کیا کہ:

''پھر مجھ کو بھی کچھ فرماویں''

تکملہ تمہیداتِ مذکورہ

مدارسِ دینیہ میں مجالسِ ذکر کے قیام کی ضرورت

تاج المحدّثین زبدۃ الفقہاء حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی قدس سرّہٗ کے ارشادات

حضرت باباشیر محمد صاحبؒ نے حضرت سہارنپوری قدس سرّہٗ سے پوچھا کہ حضرت یہ پیرزادے اور مولوی اکثر محروم کیوں رہتے ہیں؟ (یعنی تحصیلِ نسبت واحسان سے) فرمایا کہ پیرزادے تو باپ کے بعد اپنے کو پیر سمجھ بیٹھتے ہیں اور مولوی تحصیلِ علم کر کے عالم فاضل ہوجاتے ہیں کہ آئندہ کسی شئے کی ضرورت نہیں سمجھتے، علماء علم کو کافی سمجھ کر مطمئن ہوجاتے ہیں حالانکہ ابھی ان کو آخری درجہ اور طے کرنا ہے، (یعنی ذکر شغل کی لائن سے تحصیلِ نسبت) جو سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر علم موجب وبال ہے اور عمل پوستِ بے مغز کی طرح ردی اور بے کار، حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگرچہ علمِ حدیث بالذات ہر چیز پر مقدم ہے لیکن تصوّف حقیقت میں کتاب اللہ اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح ہے، جب اس کی ضرورت ہی ذہن میں نہ ہو تو طلب نہ ہوگی اور طلب کے بغیر قوی النسبت شیخ کے بیٹے اور بیوی کو بھی کبھی کچھ نہیں ملا، اجنبی کو دس بیس سال رہنے سے تو کیا مل سکتا ہے (تذکرۃ الخلیل)

حضرت اقدس رائے پوری قدس سرّہٗ کا ارشاد

فرمایا یہ مولوی ظاہری علوم حاصل کرنے میں آٹھ آٹھ سال لگاتے ہیں اگر اس کی روح اور مغز کو حاصل کرنے کے لئے خانقاہ میں آٹھ ماہ لگالیں تو کافی ہوجائے

اور کبھی متوسط استعداد والوں کے لئے آثارِ ذکر پیدا ہونے کے واسطے چار ماہ بھی فرماتے ہیں اور حضرت گنگوہیؒ جیسے کو یہ دولت تو سات ہی روز میں حاصل ہوگئی تھی مگر تکمیل کے لئے حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس ایک چلہ گذار کر خلافت حاصل کرکے وطن واپس لوٹے اور حضرت اقدس شیخ دامت برکاتہم کے ہاں رمضان المبارک کے ایک ہی چلّے میں بہت سے لوگ صاحبِ نسبت ہوجاتے ہیں گو اجازت کا ملنا دوسرے امور پر بھی موقوف ہوتا ہے، جو مقصد نہیں بلکہ اس کی طلب وخیال مقصد میں ناکامی کا بڑا سبب ہے۔ لیکن چلّہ کے یہ اثرات جب ہی ہیں جب طلب وارادت وغیرہ پوری شرائط کے ساتھ ہوں، چاہے وہ شرائط چالیس سال کے بعد قابو میں آئیں یا کبھی بھی نہ آئیں کیوں کہ اکثر دیکھا گیا کہ لوگ دورخی نہیں چھوڑتے، اگر کوئی ایک لائن پر چلے تو چاہے کتنا ہی سست رفتار ہو ایک نہ ایک وقت پہنچ ہی جاتا ہے۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء ۔

فہرست مضامین

قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الحدیث علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر وفاق المدارس پاکستان کی ایک مکاتبت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدومِ گرامی برکۃ ھٰذہٖ العصور حضرت شیخ الحدیث رفع اللہ درجاتہٗ وافاض علینامن برکاتہٖ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جب سے کراچی پہنچا ہوں عریضہ لکھنے کا ارادہ کرتا رہتا ہوں لیکن توفیق نہیں ہوئی، ایک طرف مشاغل کا ہجوم، دوسری طرف کسل کا ہجوم، آپ کو حق تعالیٰ نے حسنِ نظم کی توفیق عطا فرمائی ہے، ہر کام وقت پر ہو جاتا ہے میں اس نعمت سے محروم ہوں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے آمین۔

(الفاظ میں عالمِ ربانی کی شانِ توکّل ملاحظہ ہو)

عزیزم محمد سلمہٗ نے آپ کا مکتوبِ مبارک دیا بلکہ سنایا، دوبارہ خود بھی پڑھا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی عیادت وزیارت کے لئے دار العلوم گیا تھا، وہاں بھی میں نے ذکر کیا، فرمایا کہ زبانی بھی (حضرت شیخ سے) اس کا ذکر آیا تھا، اساتذۂ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا شوریٰ کا اجلاس تھا، اس مجلس میں مکتوبِ گرامی سنایا گیا اور عمل کرنے کے لئے تدبیر ومشورہ پر غور بھی ہوا، بات تو بالکل واضح ہے، ذکر اللہ کی برکات وانوار سے جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی واضح ہیں اور میں اس کی تلافی کے

لئے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ ہر مدرسہ کے ساتھ خانقاہ کی ضرورت ہے، ہمارے اکابر جس اخلاص اور تعلق مع اللہ کے مجسمے تھے وہ محتاجِ بیان نہیں اُن کی تدریس و تعلیم سے غیر شعوری طور پر ہی تربیت ہوتی تھی اور ان کی قوتِ نسبت سے اتنا اثر ہوتا تھا کہ درس سے فراغت کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ذاکر اعتکاف سے باہر آ رہا ہے، بلاشبہ کاملین کا دور ختم ہوا تو اس کی تکمیل کے لئے اس قسم کی تدابیر کی ضرورت ہے۔

(حضرت شیخ دام مجدہم نے مدرسہ میں ذکر شغل کے سلسلہ کو جاری کرنے کا تحریر فرمایا تھا) حق تعالیٰ جلد از جلد عملی طور پر اس کی تشکیل کی توفیق نصیب فرمائے (چنانچہ خود حضرت بنوریؒ تو شیخ طریقت تھے ہی مدرسہ کے دیگر کئی استاذ حضرت شیخ کے مجاز ہوگئے اور وہاں الحمدللہ مجلسِ ذکر قائم ہے) آگے فرماتے ہیں کہ یہ چیز واضح ہے کہ عام طور پر طلباء تعلیم کے زمانے میں اپنی تربیت و اصلاح کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتے اور یہ پہلو بے حد خطرناک ہے، جب مدرسین بھی اس قوی نسبت سکینہ کے حامل نہ ہوں اور طلباء بھی اپنی اصلاح سے غافل ہوں، اذکار و ادعیہ کا التزام بھی نہ ہو، حفّت النار بالشہوات کا منظر قدم قدم پر ہو تو ذکر اللہ کی کثرت کے بغیر چارۂ کار نہیں، میں آپ کی خاص دعوات و توجہات کا محتاج ہوں۔

اقتباس جواب از حضرت اقدس شیخ الحدیث دامت برکاتہم

المحترم المکرم .... زاد مجدہم، بعد سلامِ مسنون، آپ نے اکابر کے متعلق جو لکھا وہ حرف بحرف صحیح ہے، بہت سے اکابر کی صورتیں خوب یاد ہیں، بلامبالغہ صورت سے نور ٹپکتا تھا، اور چند روز پاس رہنے سے خود بخود طبائع میں دین کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی تھی، آگے فرماتے ہیں میری نگاہ میں ایسے اشخاص گذرے ہیں یعنی طلباء جو دورۂ حدیث سے فراغ پر صاحب نسبت ہو جاتے تھے۔ حضرت میاں جی نور اللہ صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کے یہاں تلاوتِ قرآن کے درمیان میں ہی بہت سے مراحل طے ہو جایا کرتے تھے، مگر یہ چیز تو قوتِ تاثیر اور کمالِ تاثر کی محتاج

ہے جو ہر جگہ حاصل نہیں ہوتا کہیں یہ چیز حاصل ہو جائے تو یقیناً ذکر شغل کی ضرورت نہیں، قرآن پاک اور احادیث میرے خیال میں مقویات اور جواہرات ہیں لیکن جس کو پہلے معدے کے صاف کرنے کی ضرورت ہو اُس کو تو پہلے اسہال کے لئے دوا ہی دیں گے ورنہ یہ قوی غذائیں ضعفِ معدہ کے ساتھ بجائے تلاوت کے لغویات کی مشغولی رہ گئی ہے بلکہ بعضوں میں تو استکبار کی نوبت آجاتی ہے اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ قرآن وحدیث کی اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے کوئی لائحۂ عمل آپ حضرات تجویز فرمائیں، پہلے ہر شخص کو (طلباء کو بھی) اپنی اصلاح کا خود فکر تھا، وہ خود ہی امراض کے علاج کے لئے اطباء کو ڈھونڈتے تھے، اب وہ امراضِ قلبیہ سے بیگانہ ہو چکے ہیں کہ مرض کو مرض بھی نہیں سمجھتے کیا کہوں اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا کرنے پر قادر بھی نہیں اور ان مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں تحریر میں لانا بے ادبی سمجھتا ہوں ورنہ اہل مدارس کو سب کو ان کے تجربات خود حاصل ہیں کہ جماعت اور تکبیرِ اُولیٰ کی بجائے سگریٹ نوشی میں جماعت بھی جاتی رہتی ہے۔

فالی اللہ المشتکیٰ

آپ یہ دیکھ ہی رہے ہیں کہ قرآن وحدیث کے پڑھانے پڑھانے کا اسٹرائکوں سے مقابلہ کیا جارہا ہے۔

(بقیہ مکتوب میں دوسرا مضمون ہے)

حضرت شیخ الحدیث صاحب

مدینہ منورہ ۲۰/۱/۹۶ھ

مذکورہ بالا چاروں تمہیدوں سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

○ مقصد تعلق باللہ ہے جس کے لئے اعمال میں نیت کو خالص کرنا ہے جو بغیر سیکھے آسان نہیں ہے اس میں انسان کو مغالطہ لگ جاتا ہے کیونکہ خالص نیت دل میں خیال آنے یا زبان پر الفاظ لانے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک عظیم قلبی عمل ہے جو اصلاحِ قلب کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا

○ قلب کی اصلاح کا ذریعہ بزرگوں کی صحبت اور کثرتِ ذکر ہے۔

○ آجکل خدماتِ دینیہ اور اصلاحی کوششوں میں اس اصلاحی ذریعے کو نظر انداز کیا جارہا ہے بلکہ ذکر کی مخالفت کی جارہی ہے جس کے نتیجہ میں ہر اصلاحی کوشش فتنہ وفساد بن رہی ہے۔

○ جیسے علم کے لئے مدارس کی ضرورت ہے ایسے ہی ذکر کے لئے خانقاہوں کی ضرورت ہے جو کہ بالعموم ختم ہوگئی ہیں، خانقاہیں بنانے اور آباد کرنے کے لئے پہلا قدم گھروں اور مسجدوں میں مجالسِ ذکر کا قیام ہے اور یہ کام خانقاہوں کا کسی درجہ میں بدل بھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ دین کے سارے کاموں کی روح ختم ہوتے دیکھ کر حضرت اقدسؒ نے مجالسِ ذکر کی طرف بطورِ خاص توجہ دی اور اُمّت کو جس چیز کی اس وقت ضرورت ہے وقت کا امامِ ربانی ہمیں اس کی وصیّت کرگیا، کہ اپنے سامنے اس لائن کو شروع کروا گیا۔ اللہ تعالیٰ عقلِ سلیم عطا فرما کر عمل کی توفیق دے۔ وما علینا الا البلاغ ۔ اللّٰھم اجعل خیر عمری اٰخرہٗ وخیر عملی خواتمہٗ وخیر ایّامی یوم القاک فیہ وتوفّنا مسلمین والحقنا بالصالحین غیر خزایا ولا مفتونین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا ومولانا محمد و آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم برحمتک یاارحم الراحمین

حسنِ خاتمہ کی دعا۔ کا طالب محمد قبال مدینہ منوّرہ

۱۷ جمادی الثانی ۱٤٠٤ھ

فہرست مضامین

ذِکریٰ لِلذّٰاکِرِین

حضرت شیخؒ کی ایک نصیحت

حضرت اپنی تصنیف ''شریعت وطریقت کا تلازم'' کے آخر میں یہ نصیحت تحریر فرماتے ہیں اور اسی پر کتاب کو ختم فرمایا ہے

میری ایک نصیحت ہمیشہ اپنے دوستوں کو رہتی ہے اور خود بھی اس پر عمل کی ہمیشہ سے کوشش کرتا ہوں کہ دین کے شعبے تو بہت ہیں اور سب پر ہر ایک کا (بدرجۂ کمال) عمل کرنا بہت مشکل ہے ،محدِّث ہونا، فقیہ ہونا، مجاہد ہونا، صاحبِ تقویٰ ہونا، صاحبِ ورع ہونا، نوافل کی کثرت کرنا، روزہ کی کثرت کرنا وغیرہ وغیرہ، لیکن ان میں سے کاملین کے ساتھ اگر کوئی شخص محبّت پیدا کرلے تو ﴿المرء مع من احبَّ﴾ کے قاعدہ سے انشاء اللہ سارے ہی دین کے اجزاء سے حصّہ وافر ملے گا......اھ

حضرت شیخؒ کے مرشدِ پاک حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی قدس سرہٗ اپنے رسالہ ''المہنّد'' میں نسبتِ احسان کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ نعمتِ عظمیٰ اور غنیمتِ کبریٰ ہے، جس کو شرع میں احسان کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور جس کو یہ نعمت میسّر نہ ہو اور یہاں تک نہ پہنچے اُس کو بزرگوں کے سلسلہ میں شامل ہوجانا ہی کافی ہے، کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ﴿المرء مع من احبَّ﴾ ''آدمی اُس کے ساتھ ہے، جس سے اُس کو محبّت ہو'' اور حدیثِ پاک میں ذاکرین کے گروہ میں شامل ہونے والوں کے لئے ارشاد ہے: وہ ذاکرین ایسے ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہ سکتا،

امام احمدؒ، طبرانیؒ اور حاکمؒ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے ''صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ گرامی میں

حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! اُس شخص کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہو مگر اُس قوم (کے عمل) تک اُس کی رسائی نہیں ہوتی، فرمایا: ''اُس آدمی کا شمار اُن ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اُس کو محبت ہوگی، رسائی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس شخص کے عمل اُس قوم کے اعمال کی طرح نہ ہو سکے ہوں''۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ بیعت ہونے سے شیخ اور سلسلہ کے تمام اولیاء سے ایک تعلق ومحبت ضرور ہی ہو جاتی ہے اگرچہ بیعت کا اصل فائدہ تو تزکیہ وحصولِ نسبت ہے، جس کے لئے کچھ کرنا ہوتا ہے، لیکن آجکل کم ہمتی اور بے طلبی کے دور میں خالی بیعت بھی مذکورہ بالا نفع سے خالی نہیں۔

جُرعۂ خاک آمیز چوں مجنوں کند | صاف اگر باشد نہ دانم چوں کند

لہٰذا آجکل بیعت کرنے میں زیادہ پس وپیش نہیں چاہیئے بلکہ سلسلہ کے بڑھانے میں حریص ہونا چاہیئے اس کے لئے کوشش کرنے والے کو خود بیعت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ بیعت ہونے کی مناسبت اور استفادہ کی سہولت یعنی ملاقات وصحبت کے اسباب جہاں پائے جانے کا گمان ہو وہاں کے لئے مشورہ دینا چاہیئے۔

حضرتؒ کی زندگی کی آخری تقریر

دارالعلوم بری (انگلینڈ) کے دورۂ حدیث کے ختمِ بخاری شریف پر حضرت نے فرمایا: حضرت امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب کو شروع کیا (حدیث) ﴿اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ﴾ سے اور ختم کیا (حدیث) ﴿کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ......﴾ پر، خلاصہ سارے کا یہ ہے کہ دنیا میں صرف دو کام ہیں: ''اخلاص ہو دل میں اور تسبیحِ حق ہو زبان پر''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ذکر کی توفیق عطا فرمائے کہ ذکر دل کی صفت بن جائے تاکہ موت کی سختی اور غفلت کے وقت بھی زبان پر کلمہ جاری ہو جائے۔ حدیثِ پاک میں: ﴿مَنْ کَانَ آخِرُ کَلَامِہٖ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ﴾ یعنی وہ شخص جنّت میں جائے گا جس کا آخری کلام ہو گا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

واللہ الموفق | محمد اقبال | مدینہ منورہ

ناشر
مکتبہ حضرت شاہ زبیرؒ
جامع مسجد ابرار و خانقاہ اقبالیہ جلیلیہ
موبائل: ۰۳۰۰_۹۲۲۵۵۳۳
۰۳۲۱_۹۲۲۵۵۳۳: